جہیز اور ہمارا معاشرہ

مولانا اختر حسین فیضی مصباحی
جامعہ اشرفیہ

باہتمام: مولانا محمد مجاہد حسین حبیبی
مدیر: سہ ماہی تبلیغ سیرت

ناشر

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

سلسلہ اشاعت نمبر ۴۸

جہیز اور ہمارا معاشرہ

مولانا اختر حسین فیضی مصباحی

جامعہ اشرفیہ

باہتمام: مولانا محمد مجاہد حسین حبیبی

مدیر: سہ ماہی تبلیغ سیرت

مدینۃ العلوم انسٹی ٹیوٹ، توپسیا

آل انڈیا تبلیغ سیرت کولکاتا، مغربی بنگال

موبائل: 9830367155

Syed Shah Muhammad Amin Qadri
Sajjadah Nashin Khanqah-e-Barkaatiya
Managing Member, Managing Committee
Waqf Dargah Shah Barkat Ullah 62
Marehra (Etah) U.P.
Ph.: 05742-262254

سید شاہ محمد امین قادری
سجادہ نشین خانقاہ عالیہ برکاتیہ مارہرہ شریف
ممبر منتظم، کمیٹی منتظمہ وقف درگاہ شاہ برکت اللہ 62
مارہرہ (ایٹہ) یو۔ پی۔

پیغام

Ref.:...............

حامداً و مصلیاً و مسلماً

Date.:...........

یہ ایک حقیقی امر ہے کہ جب کوئی کتاب منصۂ شہود پر آتی ہے تو علم وآگہی کا ایک چراغ روشن کیا کرتی ہے اور وہ کتاب جب سیرت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے ہو تو یقیناً منبع انوار وہدایت ہوتی ہے، جو پورے معاشرے کو منور ومجلی کرنے کے لیے بہترین ومؤثر ذریعہ ہے۔

قابل مبارک باد ہیں مولانا مجاہد حسین حبیبی اور ان کے رفقاء کار، جنہوں نے مساعی جمیلہ کر کے ہر سال کی طرح امسال بھی ولادت رسول مقبول ﷺ کے پُرمسرت موقع پر ان کے امتیوں کو سیرت النبی پر مبنی ۱۲ مفید کتب کا نذرانہ پیش کرنے جا رہے ہیں۔ یہ محض کتابوں کی اشاعت ہی نہیں بلکہ اس اشاعت کے ذریعہ ان کے پیغام کو عام کرنا بھی ہے اور امت مسلمہ کو اصلاح کی راہ پر گامزن کرنا بھی۔

آج کے اس دور پُرفتن میں جب کہ ساری دنیا سیاسی، سماجی اور معاشی بحران کی شکار ہے، آپسی تصادم نے انسانی اقدار کو پامال کر کے رکھ دیا ہے، ایسے میں ہمارے لئے قرآن وسنت دستور عمل بھی ہے اور دستور حیات بھی۔

لہٰذا تمام صاحب استطاعت، صاحب ثروت اور صاحب منصب حضرات کو چاہئے کہ قرآن وسنت کی تعلیم کو عام کریں اور مذہبی اقدار کا پاس ولحاظ کر کے دوسروں کو بھی اس کی تلقین کریں۔

میں اپنی طرف سے اور تمام وابستگان سلسلہ کی جانب سے مولانا مجاہد حسین حبیبی کو اس کار خیر پر مبارک باد پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ رب تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب پاک صاحب لولاک ﷺ کے صدقہ وطفیل میں مزید ترقی کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری صفوں میں اتحاد واتفاق قائم فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین وعلینا وعلیہم ومعہم اجمعین۔

فقط والسلام

پروفیسر سید محمد امین قادری
سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ

Residence: Masha Allah, Kabir Colony, Jamalpur, Aligarh-202002
Ph.: 0571-2700501, 9837051622

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فہرست مضامین

جہیز اور ہمارا معاشرہ

پیش لفظ

موجودہ معاشرے میں جہیز کی رسم نے جوصورت اختیار کرلی ہے، وہ بے شمار خرافات کی جڑ ہے، جس کی وجہ سے مسلمانوں کو دینی اور دُنیوی دونوں طرح کے نقصانات سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے، سب سے بڑا اور واضح نقصان جو ہم آئے دن دیکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ بیشتر لڑکیاں بغیر نکاح کے بیٹھی ہی رہ جاتی ہیں اور اگر نکاح ہو بھی گیا تو قلت جہیز کی وجہ سے انھیں طرح طرح کے طعنوں اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، یہاں تک کہ بسا اوقات انھیں قتل کردیا جاتا ہے یا جلا دیا جاتا ہے جو گناہِ عظیم ہے۔ مزید ایک بدترین رسم یہ پروان چڑھ رہی ہے کہ جہیز میں کچھ ایسی قیمتی چیزیں ضروری سمجھی جارہی ہیں جن کی عموماً ضرورت نہیں پڑتی۔ اس بدعت کے لیے بیشتر حضرات کو قرض کا سہارا لینا پڑتا ہے، یہیں تک بس نہیں بلکہ اگر بے سودی قرض نہ ملے تو سودی قرض لے کر پورا کیا جاتا ہے جس کے سبب بے شمار مفاسد کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ یہ سب اس لیے ہے کہ ہم دین سے دور اور دنیا سے پورے پورے قریب ہو چکے ہیں جب کہ حدیثِ مُرسل میں ہے:

حُبُّ الدُّنيَا رَأسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ (جامع صغیر امام سیوطی)

''دنیا کی محبت ہر برائی (گناہ) کی جڑ ہے۔''

اسلامی شریعت کی رو سے نکاح کے بعد بیوی کے سارے اخراجات کا ذمہ دار شوہر ہوا کرتا ہے، بیوی کے اوپر قطعاً ضروری نہیں کہ وہ اپنے ساتھ ڈھیروں سامان لائے، اور لڑکی والوں پر بھی صرف اتنی ہی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ لڑکی کا کسی مناسب لڑکے سے رشتہ کردیں یہ نہیں کہ مال و منال سے نوازیں۔

بہترین شادی سے متعلق مصلح انسانیت پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اَعظَمَ النِّكَاحِ بَرَكَةً اَيسَرُهُ مؤُنَةً (مشکوٰۃ شریف ج ۲،ص ۲۶۸)

''سب سے بابرکت شادی وہ ہے جس کا مالی بار کم تر ہو۔'' زیر نظر رسالہ جہیز کے تعلق سے چند قیمتی اور اہم مضامین کا مجموعہ ہے، جس کا مطالعہ ان شاء اللہ جہیز سے متعلق مفاسد کے سدِ باب کے لیے مفید ثابت ہوگا۔

اختر حسین فیضی مصباحی

غیر شرعی جہیز کی تباہ کن لعنتیں

شارح بخاری فقیہ اعظم ہند حضرت مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ

اب اِدھر چند برسوں سے مسلمانوں میں یہ رواج ہوتا جارہا ہے کہ لڑکوں کی شادی طے کرتے وقت جہیز کی مقدارِ معین مانگتے ہیں۔ مثلاً یہ کہتے ہیں کہ دس ہزار نقد لیں گے اور موٹر سائیکل لیں گے اور گھڑی لیں گے۔ اگر لڑکی والے اس شرط کو منظور کرتے ہیں تو شادی طے ہو جاتی ہے ورنہ رشتہ کینسل کر دیتے ہیں۔ طے ہونے کے بعد اگر لڑکی والے ان مقررہ جہیز میں کچھ بھی کم دیتے ہیں تو اس کے لیے جھگڑا کھڑا کرتے ہیں۔ بدنام کرتے ہیں بلکہ بعض دفعہ برات تک واپس ہو جاتی ہے اور اگر لڑکی سسرال گئی تو اسے زندگی بھر طعنہ دیتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ لڑکی بٹھا دیتے ہیں کہ جب تک فلاں فلاں چیز جو مقرر جہیز میں سے اب تک نہیں ملی ہے، ملے گی نہیں ہم تم کو نہیں رکھیں گے۔ کیا شرعاً یہ جائز ہے؟

جواب: جہیز کی مقدار طے کرنا بلکہ مقدار نہ بھی معین ہو کہیں شادی طے کرتے وقت جہیز کا مطالبہ کرنا یا شادی ہونے کے بعد جہیز کا مطالبہ کرنا یا شادی کے وقت مطالبہ کرنا یہ سب حرام ہے اور یہ رشوت مانگنا ہے۔ جو مال لیا، رشوت لیا۔ فرض ہے کہ اسے واپس کرے۔ اس کو استعمال میں لانا حرام ہے۔ شامی کتاب الھبہ میں ہے: **جعلت المال علی نفسھا عوضاً عن النکاح وفی النکاح العوض لا یکون علی المرأۃ.**

عورت جو مال اپنے نکاح کے عوض میں دے وہ باطل۔ نکاح میں عوض عورت پر نہیں۔ عورت دے یا اس کے ماں باپ بھائی دیں سب ایک حکم میں ہے۔

کتب فقہ کی یہ تصریح کہ نکاح میں عوض عورت کے ذمہ نہیں سب کو شامل ہے۔ ہماری شریعت نے نکاح میں عوض مرد کے ذمہ رکھا ہے کہ بغیر مہر ادا کیے نکاح درست نہیں۔ حتیٰ کہ اگر مرد و عورت نے بغیر مہر مقرر کیے نکاح کیا جب بھی مہر واجب ہے بلکہ اگر یہ شرط کر دی کہ کچھ مہر نہ ہوگا جب بھی مہر مثل واجب ہے۔ اگر نکاح کے بعد وطی یا خلوتِ صحیحہ ہو گئی تو

درمختار میں ہے:**وکذا یجب مهر المثل فیمااذا لم یسم مهرا او نفیٰ ان وطی الزوج او مات عنها اولم یتراضیا علی شئ یصلح مهرا و اِلا فذاک الشئ هو الواجب.** اگر مہر مقرر نہیں کی یا مہر کا نام نہ لیا یا مہر کی نفی کر دی تو مہر مثل واجب ہے اگر شوہر نے وطی کر لی یا مر گیا۔ ہاں اگر دونوں نے رضا مندی سے کوئی مقدار کسی ایسی چیز کی مقرر کر لی جو مہر ہو سکے تو وہی واجب ہے۔

عورت یا عورت کے اولیا سے مال مانگنا یہ قلب موضوع اور الٹی بات ہے۔ علاوہ ازیں کتب فقہ میں اس کی تصریح ہے کہ اگر عورت کے بھائی نے نکاح کے عوض کچھ مال مانگا تو یہ رشوت ہے اور شوہر اسے واپس لے سکتا ہے۔ نکاح کے عوض عورت کے اولیا کا کچھ لینا رشوت اور حرام ہے جب کہ خود عورت کو شریعت نے نکاح کے عوض مہر لینے کا حق دیا ہے تو مرد کو یا مرد کے متعلقین کو کچھ لینا بدرجہ اولیٰ رشوت (اور حرام) ہوگا۔

عالم گیری میں ہے:**خطب امرأةً فی بیت اخیها فابی ان یدفعها حتی یدفع الیه دراهم فدفع و تزوجها یرجع بما دفع لِاَنَّها رشوة. کذا فی القنیة.** کسی کی بہن کو نکاح کا پیغام دیا۔ بھائی نے انکار کیا کہ جب تک کچھ روپے نہیں دو گے منظور نہیں۔ مرد نے دیا اور نکاح کر لیا تو جو دیا ہے واپس لے سکتا ہے اس لیے کہ وہ رشوت ہے۔ ایسا ہی قنیہ میں ہے۔

اور درمختار و ردالمحتار میں ہے:**اخذ اهل المرأة شیئا عند التسلیم فلِلزوج ان یسترده لانه رشوة ای بان ابی ان یسلمها اخوها او نحوه حتی یاخذ شیئاً. وکذا لو ابی ان یزوجها فللزوج الاسترداد قائما اوهالکا لانه رشوة.** رخصتی کے وقت لڑکی والوں نے اگر کچھ لیا ہے تو شوہر کو اسے واپس لینے کا حق ہے کیونکہ وہ رشوت ہے یعنی اگر بھائی وغیرہ نے بغیر کچھ لیے رخصت کرنے سے انکار کر دیا یا شادی کرنے سے انکار کر دیا تو شوہر کو حق حاصل ہے کہ اسے واپس لے لے۔ چاہے وہ مال موجود ہو چاہے ختم ہو گیا ہو اس لیے کہ یہ رشوت ہے۔

یہاں تو ایک طرح کا جبر ہے۔ اسی میں یہاں تک تصریح ہے کہ خسر اگر داماد سے کچھ لے وہ بخوشی دے تو بھی مالِ حرام ہے۔ **وَمِنَ السُّحتِ مَایَأخُذُہُ الصِّهرُ مِنَ**

الْخَتَنِ بِطَیِّبِ نَفْسِهٖ خسر داماد سے جو کچھ (مانگ کر) لے اگر چہ داماد بخوشی دے مال حرام ہے۔ تو جبر کی صورت میں بدرجہ اولیٰ حرام ہوگا۔ یہ لعنت مسلمانوں نے ہندوؤں سے سیکھی۔ **الناس علی دین ملوکھم.** لوگ اپنے بادشاہ کے طریقے پر ہوتے ہیں۔ ہندوؤں کی غلامی نے ذہنوں پر اثر کرنا شروع کر دیا ہے۔ ان کے مذہب میں تلک چڑھانے کی رسم ہے۔ اس کی بنیاد اس پر ہے کہ چوں کہ وہ لڑکی کو میراث نہیں دیتے تو لڑکی کو گھر سے نکالتے وقت اپنی حیثیت کے مطابق بھرپور جہیز و نقد تلک کے نام پر دے دیتے ہیں کہ آئندہ اب وہ باپ کے مال میں کسی طرح کی حق دار نہیں۔ اس طریقے نے اب اتنی بھیانک صورت اختیار کر لی ہے کہ موجودہ دور میں ہندوؤں کے دانشور اس کے خلاف تحریک چلا رہے ہیں۔

ہندوؤں کی اس مردود رسم کو مسلمان اپنا رہے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ جن کی مذہبی رسم تھی انھوں نے تو اس کے برے انجام سے عاجز آ کر اسے چھوڑنا شروع کر دیا ہے اور ہم تباہ ہونے کے لیے اسے اپنا رہے ہیں۔ حالانکہ ہمارے مذہب میں اس کی کسی طرح گنجائش ہی نہیں۔

ہمارے مذہب میں لڑکی کو باپ کے مال سے وراثت کا حق ہے۔ وہ الگ لے گی اور شادی کے وقت جہیز کے نام سے بٹورے گی۔ باپ بھائی پر لڑکی کا یہ دہرا بار تقاضائے عقل کے خلاف ہے اور اصول فطرت اور مرد کی شان کے بھی۔

فطری اصول سے مرد عورت پر بالا دستی رکھتا ہے۔ اس سے قوت میں زیادہ ہے۔ اس میں کمانے کی بہ نسبت عورت کے، صلاحیت زیادہ ہے۔ مجموعی طور پر عقل و تدبیر میں زیادہ ہے۔ عورت صنف نازک ہے۔ خِلقی طور پر کمزور ہے۔ اس میں کمانے کی وہ قوت نہیں جو مرد میں ہے۔ اس کے فطری عوارض اس میں مانع، اور تخلیقی مقاصد حارج۔ ایام حمل و رضاعت میں کمانا اس کے لیے دشوار بلکہ اس کو کمانے پر مجبور کرنا ظلم۔ اس لیے اسلام نے مرد کو عورت پر حاکم رکھا۔ اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ. (مرد افسر ہیں عورتوں پر۔ نساء ۴/۳۴) اور مرد پر فرض کیا کہ نکاح کے معاوضے میں مہر دے اور نکاح کے بعد اس کی پوری کفالت کرے اور جہیز کی لعنت اس کے بالکل برعکس ہے۔ گویا عورت نکاح کا معاوضہ دے اور اتنا دے جو مدت دراز تک مرد کو عیش کرنے کے لیے کافی ہو۔ گویا جہیز مانگنے والے اتنے بے غیرت ہیں کہ عورت کا مال کھانے کی ہوس رکھتے ہیں۔ شریعت نے تو یہاں تک پابندی

لگائی ہے کہ ماں باپ بخوشی حسب حیثیت جو کچھ لڑکی کو جہیز میں دیں وہ لڑکی کی ملک ہے۔ درمختار میں ہے: کُلُّ اَحَدٍ یَّعلَمُ اَنَّ الجِھَازَ مِلکُ المَراَۃِ. سب کو معلوم ہے کہ جہیز لڑکی کی ملکیت ہے۔ مگر مرد جب جہیز کو اپنی ملک سمجھتا ہے نقد اڑاتا ہے اور سامان بیچ کر برباد کرتا ہے۔ یہ حرام اور بے غیرتی کی باتیں ہیں۔

مسلمانوں میں جو لوگ ذی اثر و دیندار اور قومی ملی جذبہ رکھتے ہیں انھیں لازم ہے کہ اس جہیز کی لعنت کے خلاف ابھی سے صف آرا ہو جائیں۔ مسلمانوں میں اسے پھیلنے سے روکیں اور اس کے لیے سمجھانے بجھانے سے کام نہ چلے تو ہر ممکن سختی کریں۔ ابھی ابتدا ہے ابتدا ہی میں روک تھام ہو گئی تو رک سکتی ہے ورنہ بہت مشکل ہو جائے گا۔ حریص، لالچی، بے غیرت نہ مانیں تو ان کا سوشل بائیکاٹ کریں۔ نکاح خواں علما، میاں جی لوگوں کو لازم ہے کہ جہاں معلوم ہو کہ جہیز کے عوض لڑکا خریدا گیا وہاں نکاح پڑھانے نہ جائیں۔ اپنے بیس آنے پیسے کی لالچ میں قوم کو تباہ نہ ہونے دیں۔ دس بیس جگہ اگر ایسی پابندی ہو گئی تو امید ہے کہ ہندوؤں کی دھتکاری ہوئی یہ بلا مسلمانوں میں نہ پھیلے۔ واللہ اعلم۔ (ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور۔ شمارہ اپریل ۱۹۷۹ء)

مہر اور جہیز کے سلسلے میں ایک گزارش: آج سے چالیس پچاس سال پہلے اعظم گڑھ کے مشرقی حصے میں انصاری برادری میں مہر ۲۵/روپے سکۂ رائج الوقت متعین تھا۔ پھر کچھ دنوں کے بعد ۵۱/روپے ہوا، اور اب ۲۵۱/روپے ہے۔ جب مہر پچیس روپے تھا تو چاندی کے روپے کا چلن تھا، اس لیے رائج الوقت سے وہی چاندی کے روپے مراد ہوتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ تنازع کے بعد مہر میں چاندی کے پچیس روپے دیے جاتے تھے۔ اور آج کل چاندی کے روپیوں کا چلن بند ہو گیا ہے، نوٹ یا نکل کے روپے چلتے ہیں۔ آج جب سکۂ رائج الوقت کہا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مہر ۲۵۱/روپے نوٹ ہیں۔ اب ہر شخص کے لیے لمحۂ فکر یہ ہے کہ جب غربت و افلاس تھا تو مہر چاندی کے پچیس روپے تھے، جس کی قیمت نوٹوں سے اس وقت لگ بھگ پونے دو ہزار روپے ہوتے ہیں۔ اور آج جب کہ فراخی اور وسعتِ زر ہے مہر صرف ۲۵۱/روپے، یہ انتہائی نامناسب بات ہے۔ ہمارے سماج میں لڑکیاں ماں، باپ کے بس میں ہوتی ہیں، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ مردہ بدست زندہ ہوتی ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ وہ اپنے شادی کے معاملہ میں اُف نہیں کر سکتی ہیں۔ ہمارا ماحول ایسا ہے کہ اگر

بے زبان مجبور لڑکیاں اپنی شادی کے معاملہ میں زبان کھول دیں تو گستاخ، زبان دراز وغیرہ خطابات سے نوازی جائیں گی۔ مہر ان کا حق ہے، اگر وہ ماحول کے دباؤ کی وجہ سے یا اپنی فطری حیا کی وجہ سے کچھ نہ بولیں یہ ان کی سعادت ہے مگر باپ پر فرض ہے کہ وہ اپنی لڑکی کے حق کو سمجھے اور اسے پورا پورا دے۔

ہندوؤں سے سیکھ کر اب مسلمانوں میں ضرورت سے زیادہ جہیز دینے کا رواج بڑھتا جا رہا ہے۔ جس کی وجہ سے لڑکیوں کی شادی کرنا جوے شیر لانے کے برابر ہو چکا ہے۔ لیکن مہر جو خاص اسلامی چیز ہے، اور لڑکی کا حق ہے اس پر کوئی بھی غور نہیں کر رہا ہے۔ ہم عوام کی آگاہی کے لیے ازواج مطہرات اور سیدہ فاطمہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہن اجمعین کے مہر اور جہیز کی تفصیل درج کر دیتے ہیں۔ مسلمان اسے دیکھیں اور اللہ توفیق دے تو اس کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کریں۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور بنات مکرمات کا مہر پانچ سو درہم سے زائد نہ تھا۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: **ما علمت رسول الله صلى الله عليه وسلم نكح شيئا من نسائه ولا انكح شيئا من بناته على اكثر من اثنتى عشرة اوقية.** میں نہیں جانتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ اوقیہ سے زیادہ پر اپنا یا اپنی صاحبزادیوں کا نکاح کیا ہو۔

اس میں حضرت ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مہر ایک روایت میں چار ہزار درم تھا جیسا کہ ابوداؤد میں ہے۔ اور دوسری روایت کی بنا پر چار ہزار دینار تھا جیسا کہ مستدرک میں ہے۔ مگر ان کا مہر شاہ حبشہ نجاشی رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے ادا کیا تھا اور حضرت بتول زہرا رضی اللہ عنہا کا مہر اقدس چار سو مثقال چاندی تھا۔ چاندی کا وزن انگریزی چاندی والے چہرہ دار روپے سے ایک سو ساٹھ روپے ہے، جس کی قیمت آج کے سکے سے دس ہزار کے لگ بھگ ہوگی۔ اور پانچ سو درم کے چاندی والے چہرہ دار روپے سے ایک سو چالیس روپے بھر ہوا، جس کی قیمت موجودہ سکوں سے تقریباً نو ہزار ہوگی۔ اس کا حاصل یہ نکلا کہ ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے سوا اور ازواج مطہرات کا مہر آج کل کے سکے کے لحاظ سے لگ بھگ نو ہزار تھا اور حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا مہر مبارک لگ بھگ دس ہزار

روپے تھا۔ ازواج مطہرات کو ان کے میکے سے جہیز کیا ملا؟ اس سلسلے میں مجھے اب تک کوئی تفصیل نہیں مل سکی، البتہ حضرت بتول زہرا رضی اللہ عنہا کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جہیز دیا تھا، وہ یہ ہے، ایک بان کی چار پائی، چمڑے کا گدا جس کے اندر روئی کے بجائے کھجور کی شاخوں کے ریشے تھے، ایک چھاگل (پیالہ) ایک مشک، دو چکیاں اور مٹی کے دو گھڑے۔

اب ہر مسلمان کے لیے لمحۂ فکر یہ ہے کہ وہ مہر اور جہیز دونوں کے سلسلے میں اسلامی نظریے کو سمجھیں کہ اسلام میں مہر کی کیا حیثیت ہے، اور جہیز کی کیا حیثیت ہے۔ پھر اس روایت کو بھی سن لیں کہ اس وقت حضرت علی مرتضیٰ بہت ہی تنگ دست تھے، ان کے پاس کچھ نہ تھا۔ صرف ایک زرہ تھی جو بدر کے موقع پر خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمائی تھی۔ مگر پھر بھی وہ مہر مقرر ہوا۔ اور آج لڑکی کسی حیثیت کی ہو لڑکا کسی بھی حیثیت کا ہو مہر وہی ۲۵۱/روپے۔ یہ اپنی بچیوں پر ظلم ہے۔ تمام ذمے دار، ذی اثر مسلمانوں سے اپیل ہے کہ وہ لڑکیوں کے مہر کے معاملے میں غور وخوض، باہمی رائے مشورہ کے بعد ایسی مقدار مقرر کریں جو مناسب ہو جس میں لڑکیوں کی حق تلفی نہ ہو۔ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ اب پنچایتی طور پر مہر کی مقدار کم از کم دو ہزار کر دی جائے اور یہ ہرگز زیادہ نہیں[1]۔ گزر چکا کہ چالیس پچاس سال پہلے پنچایتی طور پر مہر پچیس روپے چاندی تھا۔ جس کی قیمت لگ بھگ پونے دو ہزار ہوتی ہے۔ وہ عسرت اور تنگ دستی کا زمانہ تھا اس لحاظ سے دو ہزار مہر زائد نہیں۔

دوسری نہایت اہم گزارش یہ ہے کہ جہیز کے سلسلے میں جہاں تک ہو کمی کی جائے۔ اللہ توفیق دے تو بقدر ضرورت لڑکیوں کو جہیز دیا جائے مگر اتنا نہیں کہ خود بار ہو اور لڑکی والوں کو دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ رواج کے مطابق جہیز کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے رشتے لگنے کے باوجود لڑکیوں کی شادی نہیں ہو پاتی ہے۔ بسا اوقات رشتہ ختم کرنا پڑتا ہے۔ اگر مشترکہ طور پر جہیز کے لیے کچھ پابندی لگا دی جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔

(مقالات شارح بخاری)

نوٹ: تقریبا پچیس سال پہلے حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے مہر کی رقم کم از کم دو ہزار روپیہ مقرر کرنے کی صلاح دی تھی اس لیے موجودہ زمانے میں دو ہزار روپیہ بھی مقرر کرنا کافی نہیں ہے زمانے کے حساب سے اس میں مزید اضافے کی ضرورت ہے۔ مجاہد حبیبی

جہیز اور ہمارا ماحول

حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صاحب قبلہ (صدرالمدرسین جامعہ اشرفیہ، مبارکپور)

آج کے ماحول اور حالات و واقعات کا جائزہ لینے کے بعد بڑے ہی قلق اور افسوس سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ روز بروز جہیز کا مطالبہ عام ہوتا جا رہا ہے، اور جو عورت کم جہیز لے جائے اس کو کوسنے سے لے کر ستانے، طلاق دینے، یہاں تک کہ جلانے اور مار ڈالنے تک کے واقعات سننے میں آتے ہیں۔ صد افسوس! ایک پاکیزہ رشتہ جسے ربّ کائنات نے پاکیزہ اور عظیم مقاصد کے لیے جاری کیا جو عہد رسالت، عہد صحابہ اور عہد اسلاف میں بڑے پاکیزہ اور سادہ طریقے سے عمل میں آتا رہا، آج کے بے غیرت خاندانوں اور نوجوانوں نے اسے نفع جوئی اور زر طلبی کا ایک کاروبار سمجھ لیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس صورتِ حال کا علاج کیا ہے اور اس سلسلے میں عوام و خواص کی ذمے داریاں کیا ہیں؟

جہیز کی حرص کیوں؟

ہمیں اس سلسلے میں پہلے یہ غور کرنا ہوگا کہ جہیز کی کمی کی وجہ سے عورتوں کو ستانے والے جوانوں اور خاندانوں میں یہ حریصانہ طبیعت اور ظالمانہ جرأت کیسے پیدا ہوئی اور اس کے اسباب و عوامل کیا ہیں؟ جواباً مختصر لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ حریصانہ طبیعت حبِّ دنیا کی پیداوار ہے۔ اور ظالمانہ جرأت دین سے دوری کا نتیجہ ہے۔ بلکہ جارحانہ حد تک حبِّ دنیا بھی دین سے دوری اور اس کے اصول و مقاصد سے بے تعلقی کا ہی شاخسانہ ہے۔

اس لیے کہ جو یہ جانتا ہو کہ دین اسلام اور ہر معتدل قانون اسی کی اجازت دے سکتا ہے کہ آدمی اپنی کوشش و محنت سے جتنا چاہے مال کمائے، مگر دوسرے کے مال کی طمع اور اسے اپنا مال بنانے کی حرص یقیناً مذموم اور گھٹیا طبیعت ہی کی پیداوار ہے۔ جو ایسی طبیعت سے پاک ہو وہ کبھی بھی بیوی کے مال و دولت کا حریص نہیں ہو سکتا۔

جہیز کا مالک کون

اسلامی نقطۂ نظر سے تو جہیز کا سارا سامان جو بیوی شوہر کے گھر لائے تمام تر بیوی ہی کی مِلک ہے۔ اس پر زکوٰۃ اگر فرض ہو تو اس کی ادائیگی بیوی ہی کی ذمے داری ہے اور اس کا استعمال کوئی دوسرا اگر کرنا بھی چاہے تو یہ بھی بیوی کی رضامندی اور اجازت ہی پر منحصر ہے۔ لیکن اس کے برخلاف جن خاندانوں اور جوانوں میں یہ عقیدہ جڑ پکڑ چکا ہو کہ دلہن کا سارا مال ہماری ملک ہے اور ہم اُسے جیسے چاہیں استعمال کریں۔ ان لوگوں کی دین اور اس کے مسائل و مقاصد سے دوری بالکل روشن و عیاں ہے۔

بیوی کا خرچ شوہر پر

پھر سنت رسول اور احکام اسلام کی رُو سے نکاح کے بعد مہر اور نان و نفقہ اور سکونت کے سارے معاملات و مصارف شوہر کے سر عائد ہوتے ہیں—— بیوی کے اوپر قطعاً یہ کوئی واجب یا فرض یا سنت نہیں کہ وہ زیادہ سے زیادہ مال و دولت شوہر اور اس کے خاندان والوں کے حصے میں لائے—— اور وہ بھی اپنی کمائی سے نہیں اپنے ماں باپ اور اپنے خاندان و اقارب کی محنت اور پسینہ کی گاڑھی کمائی سے——لڑکی کے والدین پر بھی صرف یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ مناسب لڑکے سے اس کا عقد کریں—— یہ ان کی ذمہ داری ہرگز نہیں کہ اس لڑکے کو مال و دولت سے بھی سرفراز کریں—— یا اپنی لڑکی کو ہی زیادہ سے زیادہ سامان سے نوازیں—— بلکہ عقد نکاح تو وہ عمل ہے جس کی وجہ سے لڑکی کے ذاتی مصارف کی بھی ذمہ داری شوہر کے سر منتقل ہو جاتی ہے—— لیکن یہ عجب حرص و ہوس ہے کہ آج کا نوجوان اور اس کا خاندان نکاح کے ذریعہ اپنی ضروریات اور اپنے مصارف کی ذمہ داری بھی نادار و ناتواں لڑکی کے سر ڈالنا چاہتے ہیں—— اس ظلم و ستم اور جذبات و خیالات کے اوندھے پن سے خدا کی پناہ!

قلت جہیز کی وجہ سے عورت پر ظلم

میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ جہیز کی کمی کے باعث جو خاندان اور نوجوان

شا کی ہوتے ہیں اور اپنی بے جا توقعات پر پانی پھرتا دیکھ کر اس قدر غیظ و غضب میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ ظلم وستم اور ننگی جارحیت پر اتر آتے ہیں وہ یا تو دین وشریعت کے مزاج ونہاد اور اصول وقوانین ہی سے نابلد ہوتے ہیں، یا جانتے ہوئے بھی وہ احکام ربّانی کی خلاف ورزی کے عادی ہوتے ہیں ان کی روز مرّہ کی زندگی میں بھی دین وشریعت سے انحراف نمایاں طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔ خصوصاً جہیز یا کسی بھی دنیاوی رنجش کی وجہ سے قتل مسلم تو ایسا ظالمانہ عمل ہے کہ اس کا مرتکب وہی شخص ہوسکتا ہے جس کی دینی روح موت کے قریب پہنچ چکی ہو۔ اس سے متعلق قرآن کریم نے صاف طور پر بتایا ہے کہ ''جو کسی بھی ایماندار کو قصداً قتل کرے اس کا بدلہ جہنم ہے جس میں اسے ہمیشہ رہنا ہے۔'' ظاہر ہے کہ جو خوفِ آخرت سے خالی اور اس بھیانک ظلم پر ربِّ قہّار کی ناراضی اور اس کے انتقام سے بے پرواہ ہو وہی اس طرح کی ظالمانہ جسارت کرسکتا ہے۔ یہ ایک رُخ ہوا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جہیز طلبی کی حریصانہ طبیعت اور نہ ملنے پر ظالمانہ جسارت کیسے پیدا ہوتی ہے۔ لیکن ایک رُخ اور ہے جس سے یہ معلوم ہوگا کہ زیادہ جہیز لینے دینے کا عمل کیوں پروان چڑھ رہا ہے اور اس سلسلے میں کوئی آہ وفغاں اور شور وفریاد کارگر کیوں نہیں ہوتی۔

جہیز اور نام ونمود

اس کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ جو اہل ثروت ہیں وہ اپنی دولت کے نام ونمود کی خاطر یا لڑکی اور داماد سے بے پناہ محبت کی نمائش کی خاطر بذاتِ خود اور بلا مطالبہ اتنا جہیز دے ڈالتے ہیں کہ متوسط طبقہ کی ساری دولت وجائیداد کی مالیت لگائی جائے تو اس کے برابر نہ ہو۔ ان حضرات کا عمل دیکھ کر دوسرے بھی زیادہ سے زیادہ جہیز دینے کی فکر کرتے ہیں اور اسی کو عزت وعظمت خیال کرتے ہیں اور نہ دینے میں اپنی بے عزتی وحقارت محسوس کرتے ہیں۔ یہاں تک دیکھا گیا ہے کہ بہت سے دیندار اور خلوص کار لڑکوں اور خاندانوں نے زیادہ جہیز سے منع کیا، پھر بھی لڑکی والوں نے اپنی بساط سے زیادہ ہی دے ڈالا۔ زیادہ دینے کا رواج دولت مند اور متوسط قسم کے اچھے خاصے دین دار اور پابندِ شرع لوگوں میں بھی کثرت سے پایا جاتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص بظاہر خوش حال نظر آتا ہو، لیکن حقیقت میں پریشان حال اور تنگدست ہو اس لیے اتنا جہیز نہ دے

سکے جو معاشرہ میں اس کے برابراور ہم پلہ شمار کیے جانے والوں نے دیا ہے تو اسے بخیل شمار کیا جاتا ہے۔اورلڑکی ، داماد سے عدم محبت پر محمول کیا جاتا ہے جس کے نتیجہ میں لڑکی کو بہت سی اذیتوں اور مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ظاہر ہے کہ جب جہیز معزز گھرانوں کا علامتی نشان بن چکا ہو اور فخر ومباہات کے ساتھ اسے عملاً رواج مل رہا ہو،اس ماحول میں اگر یہ تحریک چلائی جائے کہ جہیز مانگنا بند کرو تو یہ کہاں تک کامیاب ہوسکتی ہے اور نہ پانے والے کہاں تک صبر کر سکتے ہیں۔ خصوصاًجب کہ وہ دینی فکر ومزاج اور شرعی کردار وعمل سے بھی عاری ہوں۔

دولت مندوں کے لیے حسب حیثیت لاکھ دو لاکھ اور اس سے زیادہ کا جہیز دے دینا کوئی مسئلہ نہیں اور انھیں کے کردار سے یہ رسم بڑھتی اور پھیلتی جا رہی ہے۔ان کے دامادوں کو دیکھ کر ہر نوجوان آرزومند ہوتا ہے کہ مجھے بھی ایسی لڑکی ملے جو اپنے ساتھ اسی طرح وافر جہیز لائے اور جس کی یہ آرزو پوری نہیں ہوتی وہ اس حد تک بددل ہوتا ہے کہ لڑکی پر طعن وتشنیع سے لے کر ضرب وقتل تک پہنچ جاتا ہے۔

آخر علاج کیا ہے؟

ان حالات واسباب کا جائزہ لینے کے بعد اب ان کے ازالہ وعلاج پر غور کیجیے تو درج ذیل صورتوں کے بغیر جہیز طلبی کی لعنت کا ازالہ اور ظالمانہ وجارحانہ واقعات کا انسداد ناممکن ہے۔

(۱) معاشرے میں دینی اسلامی روح پیدا کی جائے۔اسلامی احکام کی اہمیت وعظمت دلوں میں اتاری جائے، آخرت کا خوف پیدا کیا جائے، متاعِ دنیا کی حرص اور ثوابِ آخرت سے بے پروائی دور کی جائے۔

اس بات کو دل ودماغ میں راسخ کیا جائے کہ مومن کی سرخروئی اور کامیابی اسی میں ہے کہ خدا کی قائم کی ہوئی حدود کے اندر رہ کر جائز و بہتر طور پر اپنی دنیا بھی خوش حال بنائے اور آخرت بھی سنوارے، ناانصافی اور ظلم وستم سے بہر حال پرہیز کرے۔ورنہ اس کا انجام بڑا ہی بھیانک اور خطرناک ہے منتقم حقیقی کی سزا سے کبھی غافل نہیں ہونا چاہیے۔

(۲) یہ ذہن نشین کرایا جائے کہ نکاح ایک پاکیزہ رشتہ ہے جو نسل انسانی کی حفاظت وبقا اور انسان کے فطری جذبات کی مناسب تحدید کے لیے وضع ہوا ہے۔اس رشتہ کے بعد دو خاندانوں

میں قرابت ومحبت اوراتحادویگانگت بھی برپا ہوتی ہےاورمردوزن پربہت سی ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں لیکن مصارف واخراجات کی ساری ذمہ داری شریعت نے مرد کے سر رکھی ہےاورعورت قطعاًاس کی پابندنہیں کہ شوہرکواپنی یااپنے ماں باپ کی دولت سےنفع اندوزکرے۔

(۳) دلوں میں مردانہ غیرت وحمیت پیدا کی جائے اور بتایا جائے کہ مرد کی عزّت اور وقار کا تقاضا یہی ہے کہ مرد خود اپنی کمائی، اپنی محنت اور اپنی دولت پر بھروسہ کرے۔ بیوی یا اس کے ماں باپ اوراہل خاندان کی کمائی اور دولت پر حریصانہ نظر رکھنا گھٹیا طبیعت پر غماز ہےجس سے ہرشریف اور باغیرت فرداورخاندان کوبہت دورہونا چاہیے۔

(۴) یہ باتیں لوگوں تک پہنچانے کے لیے پمفلٹ تقسیم کیے جائیں، جلسے منعقد کیے جائیں،نجی مجلسوں اورہوٹلوں میں بھی ان خیالات کوعام کیا جائے۔کمیٹیوں کے ذریعے ان احکام وافکارکوگھر گھر پہنچادیا جائے۔

(۵) عملی طور پرشادی بیاہ کےمواقع پرخصوصاً دولت مندوں کوسمجھایا جائے کہ خدانے آپ کودولت دی ہے،آپ اپنی بیٹی دامادکوجوچاہے دے سکتے ہیں لیکن اس کا بھی خیال کریں کہ اس سےغریبوں کی دل شکنی نہ ہو۔آپ کومعلوم ہے کہ غریب خاندانوں کی لڑکیاں اس رسمِ جہیزکی وجہ سےبیٹھی رہ جاتی ہیں اوران کا کوئی پُرسانِ حال نہیں ہوتا۔جس کانتیجہ معاشرے میں آوارگی اوربےحیائی کی صورت میں بھی نمودارہوسکتاہے۔آپ کودیناہی ہےتوبعدمیں کبھی خفیہ طورپردےلیں لیکن خدارااپنے جہیزاوردولت کی نمائش کرکے تنگ دست لڑکیوں کی زندگی اجیرن نہ بنائیں۔

(٦) ایسی انجمنیں بنائی جائیں جوسماج کے سربرآوردہ، ذی ثروت، دردمند، صاحبِ کرداراورمخلص افرادپرمشتمل ہوں۔یہ حضرات جہیزمیں دیےجانے والےسامانوں کی مناسب حدبندی کریں اورسب سے پہلےخوداس پرکاربندہوں پھردوسروں کواس کاپابندبنائیں۔

(۷) نوجوانوں کوبہرحال یہ یقین دلایا جائے کہ دولت خدا کاایک عطیہ اوراس کاخاص فضل وانعام ہے،جوہرشخص کےحصےمیں آنا ضروری نہیں۔تم اگراپنی محنت اوراپنے خاندان کی کمائی سے دولت کےمالک بن سکےتویہ دولت تمھارےلیےراحت وعزت کاباعث ہوسکتی ہےلیکن ظلم وستم

کے طریقوں اور ناجائز راستوں کو اپنا کر یا بھیک کی طرح جہیز مانگ کر مال واسباب جمع کرنا کوئی شریفانہ طریقہ نہیں۔ تمہاری عظمت اور تمہارا وقار اس میں ہے کہ تم کسی دُکھی اور غریب و پریشاں حال کے لیے ایک باعزت زندگی کا سہارا بنو اور اسے اپنی زوجیت میں لاکر اس کا دکھ درد اور اس کا رنج والم دور کرو۔ نہ یہ کہ وہ خود اپنے جہیز سے تمہاری محتاجی وغربت کا علاج کرے۔ جہیز اگر بہت زیادہ ہو تو بھی پوری زندگی اور اس کے اخراجات وضروریات کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ بہر حال ایک وقت تمہیں اپنی اور اپنی نسل کی کفالت کے لیے خود محنت کرنی ہوگی۔ کیوں نہ آج ہی تم سسرال کی بجائے اپنے بازو کی قوت اور اپنے مولیٰ کی عنایت پر بھروسہ کرو۔ قناعت ہی اصل مالداری ہے۔ آدمی کو جو مل جائے اور اس کی محنت سے جو برآمد ہو اگر اس پر اس نے قناعت نہ کی تو مزید پر مزید کی حرص ہمیشہ اسے دل کے اعتبار سے فقیر ومحتاج ہی رکھے گی۔ خدا تمہیں غنائے قلب سے نوازے اور طمع دنیا سے بچائے۔

مذکورہ بالا تجاویز کا حاصل یہ ہے کہ فکر ومزاج میں تبدیلی لائی جائے۔ تصورات و خیالات، معاملات و عادات کو اسلامی و ایمانی رنگ میں ڈھالا جائے اور دولت مند طبقہ نادار و کمزور طبقہ کے دکھ درد اور اس کے مصائب ومشکلات کا سچے دل سے احساس کرے جبھی جہیز میں افراط وغلو کی لعنت اور اس سے پیدا ہونے والے مفاسد کا سدّ باب ہو سکتا ہے اور ان دونوں باتوں کو بروے کار لانے کے لیے شہر شہر، گاؤں گاؤں، محلّہ محلّہ ایسی تنظیموں کا وجود ضروری ہے جو سماج میں مؤثر اور مخلص دردمند افراد پر مشتمل ہونے کے ساتھ سرگرم عمل بھی ہوں۔ اگر یہ تنظیمیں قائم ہو کر دلچسپی وسرگرمی اور اخلاص ودل سوزی کے ساتھ برائیوں کے خلاف برسر پیکار رہیں تو ان کے ذریعے بہت سے دوسرے بھی اصلاحی وفلاحی کام انجام پا سکتے ہیں۔ واللہ الھادی الی سواء السبیل

جہیز نہیں وراثت:

ایک اور اہم بات کی جانب اشارہ یہاں ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ کہ جہیز کا رواج تو بڑھتا جارہا ہے مگر لڑکیوں کو وراثت دینے خصوصاً باپ کے ترکہ میں بہنوں کا حق دینے کا قطعی اور اہم فرض مردہ ہوتا جارہا ہے۔ جب کہ یہ ایسا جبری حق ہے کہ بہنوں نے اگر بھائیوں کے ہاتھ میں اسے چھوڑ دیا تو بھی وہ ساقط نہیں ہوتا۔ بہن کے ورثہ یا ورثہ کے ورثہ

کسی دور میں بھی اس کا مطالبہ کر کے اسے لے سکتے ہیں۔لیکن ہوتا یہ ہے کہ اگر کسی بہن نے اپنا حق لے لیا یا صرف مطالبہ ہی کر دیا تو وہ اتنی معیوب اور مبغوض ہو جاتی ہے کہ گویا اب وہ بہن ہی نہ رہی، نہ اب اس سے مراسم وتعلقات کی حاجت۔ یہ انداز ہمارے اندر غیروں کی تقلید میں آیا ہے جو اسلامی فکر کے سراسر خلاف ہے۔ دو بھائی اپنا اپنا حق لینے کے بعد بھی باہم برادرانہ تعلقات جاری رکھتے ہیں اور اُخوت پر کوئی آنچ نہیں آتی۔لیکن یہی کام اگر بہن نے کر دیا تو وہ قرابت یا صلہ رحمی سے خارج کیوں ہوگئی؟ (جب کہ بہن کا حق بھائیوں کے مقابلے میں نصف ہوتا ہے) یاد رکھیں کہ ترکہ تقسیم کر کے بہن کو دے دیا۔ پھر اس نے خود رکھا، یا بھائیوں کو ہبہ کر کے قبضہ دلا دیا، دونوں حال میں برادران اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئے۔لیکن تقسیم کر کے اس کا حصہ الگ نہیں کیا اور اس نے کہہ بھی دیا کہ میں اپنے حصے سے دست بردار ہوں تب بھی اس کا حصہ ختم نہ ہوا اور برادران اس کے حق سے سبک دوش نہ ہوئے۔ جہیز میں غلو چھوڑ کر اس اہم فرض کو زندہ کرنے کی سخت ضرورت ہے۔اس عنوان پر مفصل گفتگو ہو سکتی ہے مگر فی الحال اتنے ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ جو حضرات عمل کرنا چاہیں ان کے لیے ان شاءاللہ یہ چند حروف بھی کافی ہوں گے **واللہ الموفق**۔ (شادی اور آدابِ زندگی)

جہیز اور سوال کی مذمت

حضرت علامہ مولانا محمد عبد المبین نعمانی مصباحی قبلہ (چریا کوٹ)

اس حقیقت سے کسی کو انکار کی گنجائش نہیں کہ آج مسلم معاشرہ طرح طرح کی غلط رسموں کی آماجگاہ بن چکا ہے، دین کا جو نقصان ہو رہا ہے وہ تو ہو ہی رہا ہے، غریب اور مفلس مسلمان ان رسموں کے بوجھ تلے دب کر مرے جا رہے ہیں گویا آج کی غلط رسمیں دین و دنیا دونوں کے لیے نقصان دہ ہیں، اہل ثروت حضرات تو اپنی خواہشات کی تکمیل اپنے پیسے کے بل بوتے پر کر لیتے ہیں لیکن غریبوں کے لیے ان رسموں کی پابندی موت کا پیغام ثابت ہو رہی ہے کیونکہ ناک اور شان کی فکر میں ان کو بھی کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑتا ہے، قرض لیں، جائیداد بیچیں، یا اس کے لیے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں، باغیرت آدمی دونوں وقت کی بجائے ایک ہی وقت کھا کر گزارہ کر لیتا ہے لیکن دو وقت پیٹ بھرنے کے لیے بھیک مانگنے سے کتراتا ہے، مگر جب معاشرے میں پھیلی ہوئی رسموں کی پابندی اور اپنی جوان بیٹی کی حنا بندی کا وقت آتا ہے تو اس کی نیندیں حرام ہو جاتی ہیں، اور وہ سب کچھ کر گزرنے کو تیار ہو جاتا ہے جسے اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا اور نہ ہی اس کی خود دارانہ طبیعت کبھی اُسے گوارا کرتی۔ ان حالات میں بیاہ شادی اور موت کے تعلق سے انجام پانے والی رسموں کی اصلاح کس قدر ضروری ہے یہ کسی ہوش مند اور درد مند انسان سے پوشیدہ نہیں، اہل ثروت حضرات بھی غور کریں اور غربا بھی ان پر بند باندھنے کی پوری پوری کوشش کریں، اس معاملے میں زیادہ قصور وار دولت و ثروت کے نشے میں چور وہ مسلمان حضرات ہیں جو اپنی آرزوؤں کی تکمیل کے لیے غریبوں کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں انھیں چاہیے کہ اپنی بچیوں کی شادی سادگی کے ساتھ کم خرچ میں کریں، اپنی بڑائی اور مالداری کا مظاہرہ کم سے کم کریں اور کچھ دولت بچا کر غریبوں کی دیکھ ریکھ پر بھی خرچ کریں اور سوچیں کہ جب ہم زیادہ خرچ کریں گے تو غریب کہاں جائیں گے اور زیادہ مناسب تو یہ ہے کہ ہر جگہ معاشرے کے ذمہ دار اور با اثر حضرات شادی میں جہیز کے طور پر دینے کے لیے اشیا کی کچھ ایسی حد بندی

کردیں کہ اس سے آگے کوئی نہ بڑھے، چاہے وہ کتنا ہی مالدار کیوں نہ ہو، تاکہ کم از کم شادی نکاح کا معاملہ برابری کے ساتھ آسانی سے طے ہوتا جائے، پھر خرچ کرنے کرانے کے لیے تو زندگی میں بہت سے موڑ آتے ہیں جہاں اپنی مالداری اور بڑائی کا اظہار کیا جا سکتا ہے۔

دوسرے نمبر پر یہ ذمہ داری لڑکے والوں پر عائد ہوتی ہے جو منہ کھولے بیٹھے رہتے ہیں اور ظلم کی انتہا تک پہنچ جاتے ہیں کہ لڑکی والے ان کے مطالبات پورے کریں چاہے جہاں سے ہو، بھیک مانگیں، جائیداد گروی رکھیں یا فروخت کریں، غور کریں یہ کس قدر شرم کی بات ہے، آدمی جس سے رشتہ کرتا ہے اس کے دکھ درد میں شریک ہوتا ہے نہ کہ اسے دکھ پہنچانے کے لیے طرح طرح کے مطالبات رکھتا ہے، ایسے لوگ یہ بھی جان لیں کہ اگر لڑکی والے بھیک مانگنے پر مجبور ہوتے ہیں تو یہ برا ہے ہی لیکن اس سے زیادہ برا جہیز کا مطالبہ کرنا ہے جس نے ایسے ذلیل کام پر انھیں مجبور کر ڈالا، یہ سراسر حرام ہے، کیوں کہ بغیر حق کے کسی سے کچھ مانگنا اور مجبور کرنا شرعاً جائز نہیں، اور یقیناً لڑکے (یعنی دولھے) کا یا اس کے گھر والوں کا لڑکی پر یا لڑکی کے گھر والوں پر سرے سے کوئی حق اور مطالبہ ہی نہیں، اسے حق سمجھنا ہی ناحق اور سراسر ظلم ہے اور یہ بھی ایک طرح کی مہذب بھیک ہی ہے، جو کسی مسلمان کے لیے ہرگز روا نہیں، افسوس! آج کا مسلمان جہالت میں اتنا آگے بڑھ گیا ہے کہ ناحق کو حق سمجھنے لگا ہے۔ یہ لوگ خوب سمجھ لیں کہ لڑکی کا تو شوہر پر ضرور حق ہے مثلاً نان ونفقہ (کھانا، کپڑا) سُکنی (رہائش کے لیے مکان) لیکن لڑکی پر شوہر کا کوئی حق نہیں بنتا سوائے اس کے کہ وہ اپنے نفس کو شوہر کے سپرد کر دے، اور اس کے غائبانے میں اپنی عزت کی نگہداشت کرے اور اولاد ہوں تو ان کی دیکھ ریکھ کرے اور مال ہو تو اس کی حفاظت کرے، لیکن کوئی مالی مطالبہ شوہر کا بیوی پر ہرگز ہرگز نہیں، آج کل جو کچھ مطالبات شوہر کی طرف سے ہو رہے ہیں وہ سراسر حرام و ناجائز ہیں، اسلام میں اس کی قطعاً گنجائش نہیں، چاہے وہ مطالبات سامان کی شکل میں ہوں یا نقد کی شکل میں، ہاں بغیر مطالبہ اور خواہش کے لڑکی کے والدین یا بھائی وغیرہ محض اپنی خوشی سے بطور تحفہ اسے جو چاہیں دے دیں، جس کی وہی مالک ہوگی اس کے لیے شوہر کی طرف سے نہ کوئی جبر روا ہے نہ مطالبہ، حتیٰ کہ دبے لفظوں میں خواہش کا اظہار بھی منع ہے اس قدر صاف صریح حکم کے باوجود عام طور سے مسلمان

اس سلسلے میں غفلتوں کا شکار ہیں، گناہ اور ظلم کر کے خدا اور سول جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کر رہے ہیں، اور یہ گناہ ایسا نہیں کہ شاذ ونادر سرزد ہو رہا ہے بلکہ تسلسل اور کثرت کے ساتھ اس گناہ کا ارتکاب کیا جا رہا ہے۔ ایسے لوگوں کو کان کھول کر سن لینا چاہیے کہ دیگر گناہ کی طرح جہیز کا مطالبہ بھی بہت بڑا گناہ اور خدا کے عذاب کو دعوت دینا ہے اور سن لیں کہ جب اس کا عذاب آتا ہے تو کوئی ٹالنے والا نہیں۔ جہیز کی طرح بارات کا مسئلہ بھی بہت اہم ہے۔ بارات میں لڑکے والے کوئی مطالبہ نہیں کر سکتے، نہ اپنی من مانی تعداد کا نہ ہی کھانے پینے کے آئیٹم کا۔ لڑکی کے ذمہ دار حضرات والدین یا بھائی وغیرہ جتنے باراتی اپنی سہولت کے پیش نظر چاہیں اس سے زیادہ کا نہ مطالبہ جائز ہے نہ ہی بغیر اطلاع واجازت زیادہ تعداد میں باراتیوں کا لے جانا جائز۔ باراتیوں کی تعداد کا بڑھانا اور بڑھے ہوئے افراد کا لڑکی والوں کے پاس جا کر بلا اجازت کھانا، ناجائز ہے اور خساست کی علامت بھی، یہ بغیر بلاوے کے کھانے اور لے جانے والے ان غریب ومفلوک الحال لوگوں سے زیادہ بدتر اور گنہ گار ہیں جو بغیر بلائے شادی بیاہ کے دستر خوانوں پر جا کر کھا آتے ہیں۔ غریبوں کا تو مالداروں پر کچھ حق بھی ہے وہ یہ کہ دعوت والوں کو چاہیے کہ غربا ومساکین کا زیادہ خیال رکھیں۔ حدیث پاک میں بھی اس کی تاکید آئی ہے کہ "ولیمہ کا وہ کھانا برا ہے جس میں مالدار بلائے جائیں اور غربا نظر انداز کر دیے جائیں۔" لیکن دعوت دینے والے اکثر انھیں کو بھول جاتے ہیں، تو وہ بغیر بلائے ہی آ کر کھا لیتے ہیں اگر چہ یہ بھی ان کے لیے ناجائز ہی ہے جب تک کہ اضطرار کی حد تک نہ پہنچیں۔ لیکن یہ دولھا میاں کو کہاں سے حق پہنچتا ہے کہ لڑکی والوں کو مجبور کریں کہ اتنے باراتی آئیں گے اور یہ یہ کھائیں گے۔ افسوس! کہ یہ وہ گناہ ہیں کہ جن کو سرے سے گناہ ہی نہیں سمجھا جاتا، شاید انہیں غفلتوں اور گناہوں کی نحوست کی وجہ سے ہمارا معاشرہ تباہی کے دہانے پر پہنچ چکا ہے۔

افسوس! قافلہ لٹا جا رہا ہے اور ہم خراٹے کی نیند سو رہے ہیں بیدار ہونے کے لیے کسی طرح تیار ہی نہیں۔ ہندوستان میں بعض مقامات پر ابھی بھی شادی بیاہ کی رسموں میں متعینہ پابندیوں کا لحاظ کیا جا رہا ہے۔ اس کو مثال بنانے کی ضرورت ہے۔

علمائے کرام جو ملت کے قائد ونگہبان کا درجہ رکھتے ہیں، ان سے بالخصوص گزارش ہے کہ تسلسل کے ساتھ جہیز، بارات وغیرہ میں ہونے والی بے اعتدالیوں اور دیگر غلط رسموں کے خلاف آواز اُٹھائیں، عوام کو سمجھائیں، بڑی بڑی کانفرنسوں، جلسوں میں بھی اس تعلق سے

خصوصی بیانات ہوں اور جمعہ کے خطبات اور میلاد پاک کی محافل میں بھی مسلمانوں کو بیدار کیا جائے کہ ان تباہ کن رسموں کا معاشرہ سے جنازہ نکلے اور ہمارے مسلمان بھائی چین سکون کی زندگی گزاریں۔اس میں شبہہ نہیں کہ جہیز کی موجودہ شکل ایک تباہ کن رسم ہوکر رہ گئی ہے۔لڑکی کو ماں باپ اپنی محبت وشفقت میں رخصت ہوتے وقت جو کچھ دیتے ہیں وہ ایک امر مستحسن اور انسانی فطرت کا تقاضا ہے، مگر ہنود کی دیکھا دیکھی اب مسلمانوں میں بھی یہ رسم بدجبری مطالبہ کی صورت اختیار کر چکی ہے۔جہیز کے مطالبوں کو پورا کرنے کے لیے آج کتنے گھر تباہ ہو چکے ہیں اور لڑکی کی پیدائش جو بلاشبہہ اسلام و پیغمبر اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں خوش بختی کی علامت ہے؛ ہم نے اپنے ہاتھوں سے بدبختی میں بدل دیا ہے۔ حیرت تو اس پر ہے کہ لڑکی اگر اپنے والدین سے کچھ مطالبہ کرے تو کرسکتی ہے کہ ماں باپ سے فرمائش اس کا پیدائشی حق ہے۔ اگر چہ اسے بھی مطالبہ کرتے وقت اپنے والدین کی بساط و وسعت کا جائزہ لینا ضروری ہے۔مگر یہ ہونے والے داماد یا ان کے گھر والوں کو کہاں سے حق پہنچتا ہے کہ لڑکی یا اس کے والدین سے کسی قسم کا سوال کریں۔ یہ یقیناً ایک طرح کی مہذب بھیک ہے، جسے رسم ورواج کے نام پر قبول کیا جارہا ہے۔اسلام دو ہی صورت میں مانگنے کی اجازت دیتا ہے یا تو سائل کا کوئی حق دوسرے سے متعلق ہو، یا پھر وہ سائل اتنا تنگ دست ہو کہ اس کی گزر بسر مشکل ہو، اور سوال کیے بغیر کوئی چارہ کار ہی نہ ہو تو اس کو سوال کرنا جائز ہے، وہ بھی بقدرِ حاجت، حاجت وضرورت سے زیادہ تو اسے بھی مانگنا جائز نہیں۔ظاہر ہے ہونے والے داماد کا ہونے والی بیوی یا ساس سسر پر کوئی واجبی حق تو ہوتا نہیں جس کا مطالبہ اس کے لیے جائز ہو۔لہٰذا اب دوسری صورت تنگ دستی والی رہ جاتی ہے جب کہ سماج میں اس کی بھی گنجائش نہیں ہے کہ کوئی تنگ دست داماد اپنی تنگ دستی کو ظاہر کر کے سسرال والوں سے بطور بھیک کچھ مانگے ، اور جب دونوں صورت نہیں، تو یقیناً یہ مطالبہ سوالِ ممنوع کی قبیل سے ہے۔یعنی بلاضرورت مانگنا، شریعت جس کی سخت مذمت کرتی ہے، بلکہ حرام گردانتی ہے۔اس سلسلے میں چند حدیثیں ملاحظہ کریں۔ دیکھیے آقائے دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسے سائلوں کے بارے میں کیا فرماتے ہیں:

حدیث (۱) عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: آدمی سوال کرتا رہے گا یہاں تک کہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے

چہرے پر گوشت کا ٹکڑا نہ ہوگا۔یعنی نہایت بے آبرو ہو کر آئے گا،(بخاری و مسلم)

حدیث (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: سوال ایک قسم کی خراش ہے کہ آدمی سوال کر کے اپنے منہ کو نوچتا ہے۔ جو چاہے اپنے منہ پر خراش کو باقی رکھے، اور جو چاہے چھوڑ دے، ہاں! آدمی اگر صاحب سلطنت سے اپنا حق مانگے یا ایسے امر میں سوال کرے کہ اس کے بغیر چارہ نہ ہو (تو جائز ہے) یہ روایت متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے (الفاظ کے ذرا اختلاف کے ساتھ) ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن حبان، مسند امام احمد اور طبرانی میں ہے

حدیث (۳) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس پر نہ فاقہ گزرا، اور نہ اتنے بال بچے ہیں جن کی (کفالت کی) طاقت نہیں اور سوال کا دروازہ کھولے، اللہ تعالیٰ اس پر فاقہ کا دروازہ کھول دے گا ایسی جگہ سے جو اس کے خیال میں بھی نہیں۔(بیہقی)

حدیث (۴) عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: آسودہ حال کا سوال کرنا قیامت کے دن اس کے چہرے میں عیب ہوگا۔ اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ غنی کا سوال آگ ہے اگر تھوڑا دیا گیا تو تھوڑی، اور زیادہ تو زیادہ۔(امام احمد، بزار، طبرانی)

حدیث (۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو مال بڑھانے کے لیے سوال کرتا ہے وہ انگارے کا سوال کرتا ہے۔ تو چاہے زیادہ مانگے یا کم (ابن ماجہ) اس میں جہیز مانگنے والوں کے لیے خاص تنبیہ ہے کہ بالعموم اسی نیت بد یعنی مال بڑھانے کی نیت سے جہیز کا سوال ہوتا ہے۔

حدیث (۶) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا، اور حق معاف کرنے سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بندہ کی عزت بڑھائے گا، اور کوئی سوال کا دروازہ نہ کھولے گا، مگر اللہ تعالیٰ اس پر محتاجی کا دروازہ کھولے گا۔

(امام احمد، ابویعلیٰ، بزار، طبرانی صغیر)

حدیث (۷) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما تھے۔ صدقہ اور سوال سے بچنے کا ذکر فرما رہے تھے (اسی دوران) فرمایا کہ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ اوپر والا ہاتھ خرچ کرنے والا

ہے، اور نیچے والا ہاتھ مانگنے والا ہے۔ (امام مالک، بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی)

حدیث (۸) حضرت قبیصہ بن مخارق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، کہتے ہیں مجھ پر ایک مرتبہ تاوان لازم آیا، میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر سوال کیا۔ فرمایا: ٹھہرو! ہمارے پاس صدقہ کا مال آئے گا تو تمھارے لیے حکم فرمائیں گے، پھر فرمایا: اے قبیصہ! سوال حلال نہیں مگر تین باتوں میں، کسی نے ضمانت کی ہو تو اسے سوال حلال ہے، یہاں تک کہ وہ مقدار بھر پائے، پھر باز رہے، یا کسی شخص پر آفت آئی کہ اس کے مال کو تباہ کر دیا تو اسے سوال حلال ہے، یہاں تک کہ بسر اوقات کے لیے پا جائے۔ یا کسی کو فاقہ پہنچا اور اس کی قوم کے تین عقلمند شخص گواہی دیں کہ فلاں کو فاقہ پہنچا ہے۔ تو اسے سوال حلال ہے۔ یہاں تک کہ بسر اوقات کے لیے حاصل کر لے۔ اور ان باتوں کے سوا اے قبیصہ سوال کرنا حرام ہے کہ سوال کرنے والا حرام کھاتا ہے۔ (مسلم، ابوداؤد، نسائی)

فاقہ کرنے والے کے لیے تین شخصوں کی گواہی جمہور کے نزدیک بطور استحباب ہے اور یہ حکم اس شخص کے لیے ہے جس کا مالدار ہونا معلوم ومشہور ہو، اور جس کا مالدار ہونا معلوم نہ ہو فقط اس کا کہہ دینا کافی ہے (بہارِ شریعت حصہ پنجم ص ۷۲ تا ۷۵ ملخصًا)

صاحب ایمان اور ہوش و گوش رکھنے والوں کے لیے سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یہی چند ارشاداتِ طیبہ کافی ہیں۔ جن سے بغیر ضرورت، سوال کرنے کی ذلت و مذمت کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے اور بلاشبہہ داماد کا جہیز مانگنا بلا ضرورت محض زر اندوزی، تفاخر اور دِکھاوا یا حصولِ آسائش و غنا کے لیے ہوتا ہے نہ اسے ایسی ضرورت ہوتی ہے کہ مانگنا حلال ہو، نہ اس کا کوئی شرعی حق متعلق رہتا ہے، جسے وصول کرنے کو سوال جائز، لہٰذا ایسے سوال کے ممنوع اور اس پر اصرار کے حرام ہونے میں کوئی شبہہ ہی نہیں اور وہ ساری احادیث جو سوال کرنے والے کے لیے وارد ہیں، جہیز کا مطالبہ کرنے والوں پر بھی ضرور صادق۔

مذکورہ بالا احادیث میں ایک جگہ صاف موجود ہے کہ دینے والا بالا دست اور بہتر ہے اور لینے والا زیر دست اور کمتر، اور قرآن پاک میں رب تبارک وتعالیٰ نے مردوں کو بالا دستی اور حاکمیت عطا فرمائی ہے ارشاد ہے اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ (سورہ نساء ۴/۳۴) (مرد حاکم ہیں عورتوں پر) مگر افسوس کہ آج مرد حاکم ہو کر اپنے مقام ومنصب کے خلاف عورت کے

سامنے سائل بن کر ذلیل ہوتا ہے مال کے اعتبار سے عورت کا تو مرد پر حق ہے، لیکن مرد کا عورت پر کسی طرح کا مالی مطالبہ شریعت میں ہرگز جائز نہیں، یہ سراسر رسمِ بد اور ہنود کی تقلید ہے۔

کچھ لوگ کھل کر مانگتے تو نہیں مگر نسبت طے کرنے میں اس کا بخوبی لحاظ کرتے ہیں کہ ایسی جگہ نسبت طے ہو کہ جہاں جہیز زیادہ ملنے کی امید ہو۔ چناں چہ کبھی امید کے برخلاف کم جہیز ملتا ہے تو سخت ناراضی کا اظہار ہوتا ہے۔ اس طرح کی حرص یعنی لالچ بھی شریعت میں سخت مذموم ہے۔

حدیث :حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، فرماتے ہیں: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھے عطا فرماتے، تو میں عرض کرتا ایسے کو دے دیجیے جو مجھ سے زیادہ حاجت مند ہے۔ ارشاد فرمایا: اسے لو، اور اپنا کر کے خیرات کردو، جو مال تمھارے پاس بے طمع (لالچ) اور بے مانگے آجائے اسے لے لو، اور جو نہ آئے تو اس کے پیچھے اپنے نفس کو نہ ڈالو۔ (بخاری و مسلم)

اب تک کی ساری گفتگو جہیز مانگنے یا اس کی حرص سے متعلق تھی جس کی مذمت بدرجۂ اتم بیان کی جا چکی۔ مگر اس بلاے بے درماں کے اسباب پر جب غور کیا جاتا ہے تو اس کا ایک بڑا سبب یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ بسا اوقات لڑکا مطالبہ تو نہیں کرتا لیکن لڑکی کا باپ محض واہ واہی اور نام و نمود کے لیے وسعت سے زیادہ اس قدر جہیز دیتا ہے جو دوسروں کے لیے نمونہ اور ترغیب کا باعث بن جاتا ہے۔ نتیجے کے طور پر پاس پڑوس کے دوسرے لوگ بھی متاثر ہو کر اس سے بڑھ کر دینے اور بعض لینے کے خواہش مند ہو جاتے ہیں اور غور کیا جائے تو یہی تمام مفاسد کی بنیاد ہے جس پر مناسب بندش ضروری ہے۔

ہر آدمی اعتدال اور بساط ہی کے مطابق بے مانگے اپنی خوشی سے لڑکی یا لڑکے کو کچھ دے دیا کرے تو اس کا اثر اتنا غلط نہ ہوگا۔ اور اگر معاشرے کے سربرآوردہ حضرات مل بیٹھ کر کچھ ہلکا پھلکا سامان متعین کردیں جو ہر امیر و غریب یکساں طور پر بآسانی دے سکے تو یہ سب سے بہتر ہے۔ مگر افسوس کہ اس مادہ پرست دور میں دین و مذہب اور حسن کردار و عمل کو بالاے طاق رکھ کر محض سیم و زر اور مال و دولت پر دھیان دیا جانے لگا ہے جس کا وبال و عذاب آخرت میں جو ہوگا وہ تو ہوگا ہی خود دنیا میں بھی اس کے مفاسد حد و شمار سے باہر ہیں۔

اس کی بنیادی مضرت کا اندازہ لگانے کے لیے یہی کافی ہے کہ جن ہنود کی تقلید میں اس رسمِ بد کے ہم عادی ہو چکے ہیں ہم سے زیادہ وہ آج جہیز اور تلک کے خلاف آواز بلند کر رہے ہیں۔ وہ سر برآوردہ حضرات جو سماج میں اپنی بات منوانے کی پوزیشن رکھتے ہیں وہ خاص طور سے توجہ دیں تو اس رسمِ بد کا خاتمہ ہوسکتا ہے اور خاص طور سے علمائے کرام اور ائمہ مساجد سے گزارش ہے کہ وہ بھی اس کے خلاف آواز اٹھائیں اور اس کی ہلاکت خیزیوں سے قوم کو بار بار آگاہ کریں اور خود بھی اپنی شادیاں اس سادے انداز سے کریں کہ قوم کے لیے باعثِ نمونہ ہو۔ وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ۔

جبری جہیز کی لعنت

حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی

(جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ)

ہمارے اس عظیم ملک (ہندوستان) میں مسلم معاشرہ ہو، یا غیر مسلم دونوں میں نکاح جیسے پاکیزہ رشتے کا استحکام ایسے رسوم وخرافات پر موقوف تصور کیا جاتا ہے جو نہ صرف وہمی و غیر عقلی ہیں بلکہ بعض اوقات انسانی زندگی کی تباہی وفساد کا سبب ہوتے ہیں۔ اگر کسی وجہ سے یہ نہ ہوا تو باہمی روابط میں تلخی و ناہمواری تو ضرور پیدا ہو جاتی ہے۔ شادی کے ذریعے خانگی زندگی کے خوشگوار تعلقات کے لیے راستہ ہموار کیا جاتا ہے لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ابتدا ہی سے بربادی کے اسباب بھی مہیا کیے جاتے ہیں۔ ان بری رسموں سے عقد نکاح کو اس طرح مشروط کیا جاتا ہے یا ایسے جبر ولزوم کے ساتھ ان کی ادائیگی ہوتی ہے کہ گویا لڑکے اور لڑکی کے درمیان کامل یکجہتی اور رفاقت و مصاحبت اسی وقت ممکن ہے جب کہ یہ رسمیں ادا کر لی جائیں۔ یہ بدترین قسم کے عقائد وخیالات پر مبنی ہوتی ہیں جن کی جڑیں سماج میں بہت مضبوط ہوتی ہیں بلکہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جا رہی ہیں۔

اسلامی طریقے پر شادی بیاہ کے لیے خیالی رسوم بے معنی وعبث ہونے کے باوجود مسلمانوں کے مختلف فرقوں اور ذاتوں کے درمیان اس طرح پائی جاتی ہیں کہ گویا عقدِ شرعی کے لوازمات ہیں حالانکہ اسلام نہایت سادگی کے ساتھ مسنون آئین وطرز پر ایجاب وقبول کے ذریعے نکاح کو وجود میں لانے کا حکم دیتا ہے جیسے ہی یہ معاہدۂ ایجاب وقبول شرعی طور پر انجام پا گیا طرفین ایک دوسرے کے لیے حلال ہو گئے۔ یعنی دو ہستیاں ایک دوسرے کے شانہ بشانہ مراحلِ زندگی طے کرنے میں رفیقانہ زندگی اور مہر ومحبت کی پابند ہو گئیں۔

لیکن مسلمانوں کی بہت بڑی بدنصیبی یہ ہے کہ مختلف علل واسباب کی بنا پر ان میں بھی ایسی غلط رسوم وخرافات پیدا ہو گئی ہیں کہ جس ڈھرّے پر ہمارے برادرانِ وطن صدیوں سے چلے آ رہے ہیں اور مصلحین کی جہد وسعی کے باوجود اس پر سختی کے ساتھ جمے ہوئے ہیں اسی

راستے پر قوم مسلم بھی چل پڑی ہے اور ازدواجی زندگی کے رشتے میں منسلک کرنے کے لیے بہت سے ایسے طریقے مسلمانوں میں پیدا ہو گئے ہیں جو ان کو تباہی و بربادی کی طرف لے جاتے ہیں اور جن پر بے دریغ پیسے صرف کیے جاتے ہیں۔ پھر یہ رسوم ایسی پابندی کے ساتھ ادا کی جاتی ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ عہد جاہلیت اپنے لوازمات وخصوصیات کے ساتھ جو اسلام کے عہد زرّیں میں ناپید ہو چکا تھا پھر سے وجود میں آنے والا ہے۔ ان تمام رسموں میں بدترین رسم نمائشی و جبری جہیز کی لعنت ہے۔

دورِ جہالت اور آج:

وہ بچیاں جن کو زندہ دفن کیا جاتا تھا یا پیدائش کے بعد بڑی بے رحمی وسخت دلی کے ساتھ جن کا گلا گھونٹ دیا جاتا تھا۔ جن کی ولادت کنبہ وخاندان کے لیے باعث ننگ وعار خیال کی جاتی تھی، جن کا پاک وجود سماج میں ناپاک تصوّر کیا جاتا تھا، زندگی کے میدانوں میں جن کو کوئی قدر ومنزلت حاصل نہیں تھی، جن کو دنیا کی بیشتر آبادی بلکہ اس زمانے کی ترقی یافتہ قومیں کنیزانہ زندگی کے لیے مجبور کرتی تھیں، اسلام کے برکات سے ان کو بلند رتبہ ملا۔ احترام کی زندگی نصیب ہوئی، تقریباً لڑکوں کے برابر مختلف حیثیتوں سے وراثت سے حصہ ملا۔ ان کی ذات سے وابستہ خیالی نحوستوں کا ازالہ ہوا اور ان کو ایسی حقیقی زندگی عطا کی گئی کہ اقوامِ عالم میں اس کی نظیر نہیں ملتی، لیکن زمانے کی گردش سے معلوم ہوتا ہے کہ ہماری قوم میں یہ انقلاب پیدا ہوا کہ دورِ ظلمت کی واپسی کے اسباب پیدا ہو چکے ہیں۔ آپ کھلی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں کہ عورتوں کو احترام وتوقیر کی بلند سطح سے گھسیٹ کر پھر ذلت کی پستی میں ڈالا جا رہا ہے۔ اس ظلم واستبداد کے رنگ وآہنگ بدل چکے ہیں کیونکہ زمانے کی تبدیلی اور انقلابات سے ہر چیز کی ظاہری شکل وصورت میں تبدیلی آ گئی ہے لیکن حقیقت ان تبدیلیوں کے پس پردہ مستور و برقرار ہے۔ عہد جہالت میں عورتوں پر جو مظالم روا رکھے گئے اور ان کی جیسی تحقیر ہوئی میری نگاہیں دیکھ رہی ہیں کہ پھر وہی سب کچھ ہونے والا ہے، بلکہ ہو رہا ہے۔ اگر حالات کا صحیح ڈھنگ سے جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہو کر سامنے آئے گی کہ جب تک انسانوں کے اندر جذبۂ بوالہوسی اور نفس پرستی کے رجحانات برقرار رہیں گے، اور اخلاقی احساس وشعور بیدار نہیں ہوں گے ان میں غیرت وخودداری کا جذبہ ابھارا نہ

جائے گا اس وقت تک جبر وظلم کا یہ چکر چلتا رہے گا۔ پست جذبات کی وجہ سے مرد، عورت کو یہ ترغیب دیتا ہے یا خود عورتوں میں یہ احساس اُجاگر ہوتا ہے کہ وہ جب تک اپنی نسوانیت کھو کر مردانہ صلاحیت نہ پیدا کرلیں گی اس وقت تک ان کو ترقی و آزادی کے باغ و بہار سے فوائد و ثمرات حاصل نہ ہوں گے۔ انھیں کی تسکین کے لیے ان کی خرید وفروخت کا کاروبار اس روشن زمانے اور دورِ حرّیت میں جاری ہے اور کبھی انھیں کی وجہ سے ازدواجی زندگی کے رشتے میں منسلک کرنے کے لیے ایسے قید و بند کی طرف مائل کرتے ہیں جن کا کوئی عقلی جواز نہیں، اور نہ قانون کے اعتبار سے ان کی ضرورت ہے۔ نہ ہی انسان کی فطرت سے مطابقت رکھتے ہیں۔ یہ محض انسان کی ہوس اور خواہشات ہیں جو اس کو جلوہ ہائے رنگارنگ دکھا کر جبری و نمائشی جہیز کی صورت میں رشوت ستانی کے لیے مجبور کرتا ہے۔

جبری جہیز کے مضر اثرات: تاریخ کے مطالعہ وجستجو سے ہم کو اب تک یہ معلوم نہ ہوسکا کہ دورِ ظلمت میں کوئی ایسی قوم گذری ہے جس نے شادی بیاہ میں رشوت جیسی حرام و ناجائز شئے کو لازم قرار دیا ہو کہ اس کے بغیر شادی کا وجود ناممکن ہو گیا ہو، لیکن عہد جدید کی ذہنی پستی اور نفس پرستی کا یہ افسوس ناک المیہ ہے کہ ذرائع آمدنی میں سے نکاح جیسا پاک رشتہ جبری جہیز کی صورت میں بڑا آسان ذریعہ بن گیا ہے کیونکہ عقد مناکحت میں رشوت لینے کا زور بڑھ رہا ہے۔ اخلاقی احساس وشعور کے فقدان سے اس کے سیلابِ بَلا پر بندھ نہیں باندھا جا سکا۔ حالانکہ اگر غور کیا جائے تو انسانی اور اسلامی نقطۂ نظر سے قبل نکاح یا بعد نکاح مرد کے خاندان سے یا عورت کے خاندان سے ایسا مالی دباؤ ڈالنا کہ مطالبات نہ پورے ہونے کی صورت میں رشتۂ نکاح کو جبراً توڑا جائے گا، یا اس کی راہ میں ایسے موانع پیدا کیے جائیں گے جن سے نکاح وجود میں نہیں آئے گا۔ بدترین قسم کی رشوت کا مطالبہ ہے جس کے ناجائز ہونے میں شاید ہی کوئی عقل مند آدمی شبہہ کرے۔

جبری جہیز کا رواج ہمارے سماج میں اعلیٰ پیمانے پر جاری ہے جس کے برے اور المناک نتائج سے روحِ انسانی کانپ اُٹھتی ہے۔ کتنے خاندان ایسے ہیں کہ اس جبر سے تباہی و بربادی کے دہانے پر پہنچ گئے اخبار و جرائد میں آئے دن عورتوں کے بارے میں یہ خبریں

پڑھی جاتی ہیں کہ اپنی مظلومانہ زندگی سے تنگ آکر انھوں نے خودکشی کرلی، لاڈ پیار کی مستحق کتنی بچیوں کونہایت بے رحمی وسنگ دلی کے ساتھ زندہ جلا ڈالا گیا، کتنی لڑکیوں کوظلم کے اس دیو کی بھیٹ چڑھا دیا گیا، کتنے خاندانوں کے درمیان اس سے منافرت وتفریق کی آگ بھڑک اُٹھی، یہ ہے دورِ جہالت کی واپسی! جس کو میں نے پہلے بیان کیا ہے لیکن اس جبری جہیز کی لعنت کے خلاف کوئی ایسی تحریک نہیں اُٹھی جس سے انسان کے اخلاقی احساسات کو اس طرح بیدار کیا جاسکے کہ طبیعتوں میں خودنفرت وکراہت پیدا ہو جائے۔ کچھ آوازیں ضرور بلند ہوتی ہیں اور وہ بھی اخلاقی حس کے مردہ ہونے کی وجہ سے دب کر رہ جاتی ہیں۔

مطالبہ جہیز آج اور کل: عہد قدیم میں لڑکی والوں کی طرف سے تعاون کا مطالبہ ہوتا تھا کہ معقول مقدار میں لڑکی کے عوض وہ مال ادا کریں تو ہم اپنی بہن، یا لڑکی کے نکاح کرنے کے لیے آمادہ ہوں گے۔اب دورِ جدید میں عام طور پر بعض خاندانوں اور ذاتوں میں پیشگی رقم کی ادائیگی پر عقدِ نکاح کوموقوف کردیا گیا ہے یا جہیز کے کثیر سامان کا شدت کے ساتھ مطالبہ ہوتا ہے بلکہ یہ عزت وآبرو اور فخر ومباہات کا ذریعہ بن گیا ہے بلفظ دیگر حصولِ زر کے لیے عورتوں کی تحقیر بڑی بے دردی کے ساتھ کی جارہی ہے۔اس لیے ہم جہیز کے متعلق اسلام کا واضح نقطۂ نظر پیش کر کے ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ایسا مالی مطالبہ خواہ سامان کی شکل میں ہو، خواہ نقد کی صورت میں چاہے لڑکے کی طرف سے ہو، یا لڑکی کی طرف سے، قبل نکاح ہو یا بعد نکاح ہر حالت میں رشوت ہے جو قطعاً ناجائز وحرام ہے...... چنانچہ عصر حاضر کے بلند پایہ فقیہ امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ایک صاحب نے مغربی بنگال سے یہ مسئلہ دریافت کیا تھا کہ ”عام طور پر اس علاقے میں لڑکے والوں سے قبل نکاح کچھ رقم وصول کی جاتی ہے اور اس بارے میں دو طریقے رواج یافتہ ہیں۔ایک یہ کہ نکاح کو اس پر موقوف کیا جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ نکاح کے لیے یہ شرط لازمی نہیں قرار پاتی لیکن یہ خواہش ضرور ہوتی ہے کہ نکاح کا پیغام دینے والا یا اس کا سرپرست کچھ نہ کچھ مال نقد کی صورت میں ادا کرے جسے وہ نکاح کے مصارف کے سلسلے میں خرچ کرتے ہیں۔بعض علماے بنگال اس کو رشوت قرار دے کرنا جائز بتاتے ہیں آپ جواب باصواب سے آگاہ فرمائیں۔“

امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

''پست ذہنیت کے لوگوں، یا پسماندہ ذاتوں میں جو یہ رائج ہے کہ اس وقت تک اپنی بہن یا بیٹی کوکسی کی زوجیت میں نہیں دیتے جب تک نکاح کے پیغام دینے والے سے کچھ مال وصول نہیں کر لیتے یہ سرتاسر ناجائز وحرام ہے کیوں کہ یہ رشوت ہے۔''

امام احمد رضا بریلوی نے اپنے اس فتوے کے ثبوت میں فقہ اسلامی کی معروف کتاب فتاویٰ بزّ ازیہ سے یہ نقل فرمایا: ''اگر کسی بھائی نے اپنی بہن کا نکاح کرنے سے انکار محض مال حاصل کرنے کے لیے کیا، اور عقد کرنے والے کی طرف سے اس کو مال دے دیا گیا تو چاہے وہ مال موجود ہو یا ضائع ہو جائے اس کو واپس لینے کا حق ہوگا کیوں کہ یہ رشوت ہے۔''

اس فقہی عبارت سے ثابت ہوا کہ قبل نکاح مال کا وصول کرنا رشوت ہے جو ناجائز وحرام ہے۔ البتہ یہ ضرور مباح ہے کہ آپس میں میل محبت پیدا کرنے کے لیے اگر کچھ چیزوں کا تبادلہ ہو جس میں فریقین میں سے کسی کے اوپر اس بارے میں کوئی جبر، دباو نہ ہو بلکہ بطیب خاطر یہ ہدیہ وتحفہ ہو تو شریعتِ اسلامی کے نزدیک اس کے جواز میں شبہہ نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ یہ رشوت کے دائرے میں نہیں آتا۔

مخزن العلوم فرنگی محل کے مولانا عبدالحی صاحب مرحوم سے سوال کیا گیا کہ وہ رقوم جو لڑکے والے لڑکی والوں سے نکاح سے پہلے نسبت طے کرنے کے وقت وصول کرتے ہیں جیسا کہ ہندوستان کے بیشتر علاقوں میں رائج ہے ان کا کیا حکم ہے؟

آپ نے جواب میں فقہ اسلامی کی مختلف کتابوں کے حوالے سے تحریر فرمایا: جب لڑکی والے لڑکے والوں سے کوئی رقم جبراً وصول کریں یعنی لڑکی کے معاوضہ میں وصول کریں تو رشوت ہونے کی بنا پر قطعاً ناجائز وحرام ہے حالانکہ بظاہر یہاں عقلی جواز کا وہم ہو سکتا تھا، تو لڑکی والوں پر دباؤ ڈال کر نسبت طے کرنے کے وقت روپے، پیسے کا وصول کرنا یا جہیز کے لیے کسی خاص مقدار کا متعین کرنا، یا جہیز کے گراں قدر سامانوں کا پہلے سے طے کرنا کیوں کر ناجائز وحرام نہ ہوگا جب کہ اس میں رشوت کا پہلو واضح طور سے نمایاں ہے۔'' (تلخیص)

ہمارے قارئین نے ان دونوں فقہاے وقت کے فتوؤں سے بخوبی معلوم کر لیا ہوگا

کہ ایسا مالی مطالبہ جس میں کسی طرح کا دباو ہو خواہ مرد کی جانب سے ہو یا عورت کی جانب سے، نکاح سے پہلے ہو یا بعد، نقد کی صورت میں ہو یا سامان کی شکل میں ناجائز وحرام ہے اس لیے کہ یہ رشوت کے دائرے میں آتا ہے جس کا لینا دینا دونوں قابل مواخذہ جرم ہے اسی لیے ارشاد فرمایا کہ ''رشوت کے دینے والے، اور لینے والے دونوں پر خدا کی لعنت ہو۔'' اور لعنت کا مطلب اسلامی شریعت میں یہ ہے کہ خدا کی رحمت وفضل وکرم سے محرومی ہو۔

لیکن ہمارے معاشرے کی اخلاقی حِس اس قدر مردہ ہو چکی ہے کہ اس زمانے میں رشوت کو اپنا جائز حق تصور کر کے اس کے لیے کوشش کی جاتی ہے مگر جبریہ اور نمائشی جہیز کے مسئلے میں ہم کو اسی حیثیت پر اکتفا نہیں کرنا ہے کہ وہ رشوت ہے بلکہ یہ غور کرنا ہے کہ نکاح کے بلند مقاصد سے کس قدر متصادم ہوتا ہے۔

مقصدِ نکاح: نکاح کا ایک بڑا مقصد دو ہستیوں کے درمیان باہمی الفت ومودت کا خوش گوار ماحول پیدا کرنا ہے تاکہ زندگی سکون کے ساتھ گزرے، بے کیفی اور تلخی کی زندگی سے رہائی حاصل ہو۔ قرآن مقدس کے اندر ارشاد فرمایا گیا: **وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً** (سورۃ الروم)

''اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ بات بھی ہے کہ تمھاری بیویوں کو پیدا کیا تاکہ اپنی بے قراریوں میں ان سے سکون حاصل کرو، یہ اللہ ہی کی شانِ قدرت ہے کہ تمھارے درمیان رحمت ومودّت پیدا کی۔''

نکاح کا دوسرا عظیم مقصد یہ ہے کہ انسان نِرا حیوان نہیں ہے بلکہ اس کے اندر بہت سی صفات اور صلاحیتیں ایسی پائی جاتی ہیں کہ جن کی بنا پر اس کے اوپر اخلاقی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اس لیے اس کے اوپر لازم ہے کہ وہ جائز حدود میں رہ کر اپنی عصمت و پاکبازی کی حفاظت کرے۔ کیا کوئی عقل مند آدمی ان دونوں مقاصد سے انکار کر سکتا ہے۔ میں ان عجوبۂ روزگار انسانوں کی بات نہیں کرتا جو عقل وخرد کے دعویٰ کے باوجود انسان کو حیوانیت کی سطح سے بلند رکھنا نہیں چاہتے بلکہ اس کو بھی ایک ترقی یافتہ حیوان قرار دے کر جنسی خواہشات کی تکمیل کے لیے آزاد چھوڑ دیتے ہیں۔

ان دونوں مقاصد پر غور کرنے سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ جہیز کی لعنت ان کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرتی ہے اس سے جنسی بے راہ روی پیدا ہوتی ہے، سکونِ قلب اور باہمی الفت ومودّت کا شیرازہ بکھر جاتا ہے، اس سے عورت دماغی الجھن میں مبتلا ہوکر خودکشی کے جرم کی مرتکب ہو جاتی ہے اور یہ وہ آفت ہے جسے شوہر کے خاندان والے عورت کے اوپر نازل کرتے ہیں اور وہ ان کے ظلم وستم سے تنگ آکر اپنے کو زندہ جلا ڈالتی ہے۔ اس لیے ہمارے تمام ہم وطنوں کو چاہیے خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم مرد ہوں یا عورت، جوان ہوں یا بوڑھے، دیہات کے رہنے والے ہوں یا شہر کے، امیر ہوں یا غریب، تجارت پیشہ ہوں یا زراعت پیشہ سب کو یہ پیغام پہنچائیں چاہتے ہیں کہ اس لعنت کو ختم کرنے کے لیے کمربستہ ہو جائیں اور اس فلاحی کام کے لیے مختلف تدبیریں اختیار کریں۔ سب سے ضروری بات یہ ہے کہ وہ انسانی غیرت وحمیت کا علَم لے کر انسان کی اخلاقی حس کو بیدار کریں کیوں کہ یہ مشترکہ آفت ہے اس بلائے عظیم میں پوری قوم درماندگی اور بے بسی کی حالت میں مبتلا ہے۔

ہمارے معزّز ناظرین اس بات پر غور فرمائیں کہ اگر اپنے اندرونی شیطان کے وسوسے سے ہم اس غرور میں مبتلا رہیں کہ ہم لڑکے والے ہیں ہمارا جائز وناجائز مطالبہ پورا ہونا چاہیے اور ہم بے رحمی کے ساتھ کسی کو جہیز کے لیے تنگ کریں تو کیا ہمارے اوپر یہی بلا کسی دوسرے وقت مسلّط نہیں ہوسکتی۔ کیا ہم نے کسی ذریعے سے پتہ لگا لیا ہے کہ ہمارے خاندان میں لڑکی کی پیدائش نہیں ہوگی۔ جس ظلم اور جبر کے ساتھ رشوت یعنی جہیز کا مطالبہ ہم دوسروں سے کرتے ہیں وہی جبر وتشدّد کا دیو ہمارے اوپر بھی مسلط ہوسکتا ہے۔

جہیز کا سب مال بیوی کا ہے: یہ مسلمانوں کی بڑی بدنصیبی ہے کہ دوسرے معاملات کی طرح مسئلہ جہیز میں بھی شرعی احکام کی پاسداری کا احساس ان میں باقی نہیں رہ گیا۔ ورنہ سمجھنے کی بات یہ ہے کہ جہیز کے جملہ سامان پر حق ملکیت صرف عورت کو حاصل ہوتا ہے ان تمام چیزوں میں سوائے عرفاً مستثنیٰ چیزوں کے سب پر تصرف کا حق جب صرف لڑکی ہی کو حاصل ہے تو دوسرے کو اس میں پڑنے سے کیا فائدہ؟ جب چاہے وہ بیچ سکتی ہے، دوسرے کو ہبہ کر سکتی ہے، کوئی اس کو ان تصرفات سے منع نہیں کر سکتا اگر جہیز کی اس حیثیت کا لحاظ رکھا جاتا تو

بھی اس جبری لعنت سے رہائی حاصل کی جاسکتی تھی۔لیکن صورت حال یہ پیدا ہوگئی کہ لڑکے والے اس خیال میں مگن رہتے ہیں کہ جو کچھ لڑکی کو مل رہا ہے وہ سب انھیں کا ہے وہ جب چاہیں اس کو بیچ سکتے ہیں یا اپنے مصرف میں لا سکتے ہیں۔اس میں لڑکی کو دخل دینے کا حق نہیں۔حالانکہ واقعہ اس کے بالکل برعکس ہے۔شریعت اسلامی عورت کو وہ حقوق مالکانہ عطا کرتی ہے کہ بالفرض وہ مطلقہ ہو جائے اور جہیز کے سامان اس کی مرضی کے بغیر لڑکے والے اپنے مصرف میں لے آئیں تو ان کو اس کا تاوان ادا کرنا پڑے گا۔اسی سے معلوم ہوا کہ موجودہ سامانوں کی واپسی میں کسی شک وشبہہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ہم ذیل میں ماضی قریب کے ایک بے مثال فقیہ اور یگانہ روزگار عالم امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے فتاویٰ کا اقتباس پیش کررہے ہیں جس سے مذکورہ بالا مسئلے پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔

ایک شخص نے آپ کی خدمت میں یہ سوال کیا کہ زید نے زیور اپنی بیٹی کو جہیز میں دیا،اس کی مالک دختر زید ہے یا اس کا شوہر؟ اور اگر شوہر بیوی کی اجازت کے بغیر اس میں تصرف کرے تو نافذ ہوگا یا نہیں۔بینوا توجروا۔

آپ نے اس کا جواب تحریر فرمایا:''زیور وغیرہ جہیز کہ زید نے اپنی بیٹی کو دیا خاص ملکِ دختر ہے شوہر کو کسی طرح کا استحقاقِ مالکانہ اس میں نہیں نہ اس کا تصرف بغیر بیوی کی اجازت اور اس کی رضا کے نافذ ہو سکے۔''

پھر حضرت موصوف نے اس شرعی مسئلے کے ثبوت میں فقہ حنفی کی ایک عظیم الشان کتاب درّ مختار کا یہ اقتباس پیش کیا۔فرماتے ہیں: **جَهَّزَ ابنَتَهٗ بِجَهَازٍ وَسلَّمها ذٰلک لَيْسَ لَهٗ الْاِسْتِردَادُ مِنْهَا وَلَا لِوَرثَتِهٖ بَعْدَهٗ اِنْ سَلَّمها ذٰلِکَ فِیْ صِحتِهٖ بَلْ تَخْتَصُّ بِهٖ وَبِهٖ يُفْتٰى.** باپ نے اپنی بیٹی کو جہیز دیا تو اب نہ باپ کو بیٹی سے یہ چیز واپس لینے کا حق ہے نہ اس کے بعد اس کے ورثہ کو بلکہ لڑکی اس سامان کی مالکِ خاص ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔اسی نوع کے ایک سوال کے جواب میں رقمطراز ہیں: جہیز ہمارے بلاد کے عرف عام شائع سے خاص ملکِ زوجہ ہوتا ہے جس میں شوہر کا کچھ نہیں،طلاق ہوئی تو کل لے لے گی اور مرگئی تو اس کے ورثا پر تقسیم ہوگا۔ردالمحتار میں ہے: **کُلُّ اَحَدٍ يَعْلَمُ اَنَّ الجهَازَ لِلْمرأةِ اِذَا**

طَلَّقَهَا تَاخُذُهُ كُلَّهُ وَاِذَا مَاتَتْ يُوْرَثُ عَنْهَا. سبھی جانتے ہیں کہ جہیز کی مالک عورت ہے۔ شوہر اسے طلاق دے گا تو جہیز کا سارا سامان واپس لے لے گی اور اگر یہ مر جائے تو اس کے قرابت دار اس سامان کے وارث ہوں گے۔ ہاں مرد بلکہ بحالت ہم خانگی اس کے والدین بھی بعض اشیاے جہیز مثل ظروف وفروش وغیرہ اپنے استعمال میں لاتے ہیں اور عرفاً اس سے ممانعت نہیں ہوتی اس کی بِنا مِلکِ شوہر یا والدینِ شوہر پر نہیں بلکہ باہمی انبساط [پر ہے] کہ زن وشوہر کی ملک میں تفاوت نہیں سمجھا جاتا۔'' (فتاویٰ رضویہ جلد پنجم ص ۳۴۹)

ہمارے معزز قارئین پر یہ بات اچھی طرح واضح ہو چکی ہوگی کہ جہیز کا سارا سامان خاص عورت کی ملکیت ہے اور بغیر عورت کی اجازت یا رضا کے کسی کو بھی اس میں تصرف کرنے کا حق نہیں بلکہ یہ حرام و گناہ ہے کہ اس کی مرضی کے خلاف اس کے اسباب جہیز میں کچھ بھی تصرف کیا جائے یا اپنے استعمال میں لایا جائے جب شریعت اسلامیہ کا فرمان یہ ہے تو پھر ایک مسلمان شریعت کی حدود کو پار کر کے جبری جہیز کی لعنت میں گرفتار ہونا کیسے پسند کرتا ہے اور کثرتِ جہیز کا منحوس مطالبہ کر کے غیر قوموں کی ہمنوائی کیسے گوارا کرتا ہے۔

☆☆☆

مسلم معاشرہ اور جہیز

مولانا محمد ممتاز عالم مصباحی (صدر المدرسین شمس العلوم، گھوسی، مئو)

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اعتقادات ہوں یا عبادات، معاملات ہوں یا عقوبات ہر شعبۂ زندگی میں شریعتِ اسلامی مشعل ہدایت ہے۔ زندگی کا کوئی بھی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کے لیے اسلام نے نظام اعتدال وتوازن پیش نہ کیا ہو اسلامی شریعت کا دائرۂ کار زندگی کے کسی ایک گوشے یا ایک زمانے تک محدود نہیں۔ بلکہ اس کی وسعت پوری انسانی زندگی کو محیط ہے۔ اس میں روحانی اور مادی دونوں طرح کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی پوری صلاحیت ہے۔

یہی قانونِ اسلام ہے جس پر کل کا مسلم معاشرہ عمل پیرا ہو کر قابل تقلید اور باعثِ رشک بنا ہوا تھا مگر بدقسمتی سے آج وہی معاشرہ اسلامیات واخلاقیات کو نہ اپنا کر طعن وتشنیع کا ہدف بنا ہوا ہے۔ اسلامی شریعت کا پورا عملی نمونہ نہ تو افراد کی زندگی میں دکھائی دیتا ہے اور نہ کوئی ایسی اجتماعی قوت ہے جو ہر گوشہ میں ہمہ گیر طور پر اسلامی شریعت کا مظاہرہ کر رہی ہو۔

انصاف و دیانت سے حالات کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ آج ہمارا مسلم معاشرہ شر و بلا، فتنہ وفساد کا مصدر اور غیر متناہی معصیت کاریوں کا سرچشمہ ہے۔ کون ایسی بیماری ہے جو ہمارے معاشرے میں نہیں ہے۔ جھوٹ، غیبت، گالی گلوج، زنا کاری، جوابازی، شراب نوشی، رشوت خوری، سنیما بینی، والدین کی نافرمانی، ایذا رسانی، عورتوں کی بے پردگی اور ان پر ظلم وستم، قومی عصبیت، مشربی تنگ نظری، تفاخر نسبی، فتنہ انگیزی، شر پسندی جیسی بے شمار مہلک بیماریاں معاشرے کے لیے سُم قاتل بنی ہوئی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ آج کا مسلمان عروج وارتقا اور عزت وکرامت کے بجائے زوال و پستی اور ذلت وخواری کی طرف مائل ہے۔ کل حکومت و دولت ان کے قدموں میں تھی مگر آج غربت وافلاس، تنگی ومحتاجی ان کا مقدر بن چکی ہے۔ بالجملہ ہر مصیبت کا شکار مسلمان بن رہے ہیں۔ ان کی یہ حالت زار دیکھ کر دل دکھتا ہے۔ کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ آنکھیں خون کے آنسو بہاتی ہیں لیکن صرف دِل دُکھنے اور آنسو بہانے یا رونے گانے سے کام نہیں چلتا۔ ہم

سب کو مل کر سوچنا ہوگا کہ ان بیماریوں کا علاج کیا ہے؟ ہمیں لائحہ عمل متعین کرنا ہوگا کہ ان خرابیوں کو مسلم معاشرے سے کیسے دور کیا جائے۔

آج سے پہلے زعمائے ملت، پیشوایانِ مذہب اور دانشورانِ ملک نے بہت غور کیا اور آج بھی سوچ رہے ہیں۔ مگر، مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ کسی بھی مرض کے علاج کے لیے چار امور کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ اول یہ کہ اصل بیماری کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس بیماری کی وجہ کیا ہے۔ تیسرے یہ کہ اس کا علاج کیا ہے۔ چوتھے یہ کہ اس علاج میں پرہیز کیا ہے۔ لہٰذا معاشرے کی اصلاح کے تعلق سے ان امور اربعہ پر توجہ دینی پڑے گی کہ امراض کیا ہیں، ان کے عوامل ومحرکات اور اسباب وعلل کیا ہیں، طریقۂ علاج کیا ہوسکتا ہے اور پرہیز کیا ہے۔ عرض کیا جا چکا کہ بیماریاں لاتعداد، اسباب غیر متناہی پھر ان کا احاطہ ناممکن، لیکن **مَا لَا یُدْرَکُ کُلُّهٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّهٗ** کے بموجب ہم معاشرہ کے صرف ایک مرض کو عنوان گفتگو بناتے ہیں جو بظاہر ایک ہے۔ مگر اس کے دامن وحدت کا عالم یہ ہے کہ بے شمار امراض اس میں پوشیدہ ہیں وہ مرض جہیز ہے۔

اسلام جس اعلیٰ تہذیب وتمدن کا داعی ہے وہ اسی وقت وجود میں آسکتا ہے جب ہم ایک طاہر اور پاکیزہ معاشرہ تعمیر کرنے میں کامیاب ہوں۔ اور پاکیزہ معاشرے کی تعمیر کے لیے ضروری ہے کہ خاندانی نظام کو زیادہ سے زیادہ مضبوط اور کامیاب بنایا جائے۔ خاندانی زندگی کا آغاز شوہر اور بیوی کے صالح ازدواجی تعلق سے ہوتا ہے مگر رشتہ ازدواج کی طہارت و نفاست اور دوام وبقا کے لیے سب سے بڑی رکاوٹ اور زبردست چیلنج جہیز جیسی لعنت ہے۔

جہیز کی تاریخی، سماجی اور شرعی حیثیت کیا ہے؟ اس کو واضح کرنے سے قبل آئیے جہیز کی تعریف وتقسیم کریں۔

جہیز کی تعریف: جہیز کا لفظ عربی زبان سے اردو میں آیا ہے۔ **جَهَّزَ یُجَهِّزُ تَجْهِیْزًا** کے معنی سامان مہیا کرنے کے ہیں۔ اب اُردو میں جہیز کا اطلاق اس سامان اور نقد پر ہوتا ہے جو شادی بیاہ کے موقع پر لڑکوں کو والدین اور میکے والوں کی جانب سے دیا جاتا ہے۔

جہیز کی اقسام: دورِ حاضر میں جہیز کی دو قسمیں رائج ہیں:

قسم اوّل: وہ ساز وسامان جس کو باپ اپنی مالی حیثیت اور صواب دید کے مطابق بلا کسی جبر و اِکراہ کے خوشدلی کے ساتھ اپنی بیٹی کو رخصت کرتے وقت دیا کرتا ہے۔

قسم دوّم: وہ ساز وسامان یا نقد جس کو لڑکے کے گارجین شادی سے قبل یا شادی کے بعد شادی کی شرط قرار دے کر وصول کرتے ہیں اور لڑکی کا باپ بہ جبر و اِکراہ اس کو ادا کرنے کا پابند ہوتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں جہیز کا اطلاق اس معنی میں زیادہ ہوتا ہے۔

جہیز کی تاریخی حیثیت: جہیز کی پہلی قسم مسلمانوں میں زمانۂ قدیم سے رائج ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ اس رسم کا وجود اہل عرب میں اسلام سے پہلے یا بعد میں تھا یا نہیں۔ اس سلسلے میں مؤرخین و محققین کا شدید اختلاف ہے۔ جمہور محققین کی رائے یہ ہے کہ اس کا کوئی وجود نہیں تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ تاریخ وسیر کے مطالعہ سے کہیں بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اہل عرب نے اپنی بیٹیوں کی رخصتی کے وقت یہ رسم برتی ہو۔ خود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالۂ عقد میں ازواجِ مطہرات آئیں۔ اور آپ نے اپنی بیٹیوں کو بھی شادی کے بعد رخصت کیا مگر جہیز کا سامان سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں کیا آیا اور گھر سے کیا گیا۔ اس کا کہیں کوئی تذکرہ نہیں۔ بس حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو آپ نے وقت رخصتی چند ضروری سامان عطا فرمایا تھا۔ اس کو بھی محققین جہیز کا نام نہیں دیتے بلکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجبوری اور ضرورت پر محمول کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ علمائے امت اور فقہائے ملت نے اس پر جہیز کا اطلاق کیا ہے تو ہم بھی اس کو جہیز ہی کہیں گے۔

یہ بحث جہیز کی پہلی قسم سے متعلق تھی۔ اب جہیز کی قسم ثانی کی تاریخی حیثیت کا جائزہ لیجیے تو معلوم ہوگا کہ یہ جہیز پورے طور پر ہندو سماج سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کی بنیاد ہندو دھرم میں عورت کے تعلق سے عقیدۂ تحقیر و تذلیل ہے۔ ہندو سماج میں عورت کو مرد سے حقیر اور ذلیل تصور کیا جاتا ہے۔ رام چرتر مانس میں تُلسی داس کہتے ہیں: ''بدھا تا بھی عورت کے دل کی بات نہیں سمجھ سکتے، یہ سراپا کمینہ احمق اور برائیوں کی کان ہے'' ہندو مذہب کے مطابق کم از کم ایک لڑکا پیدا کرنا عورت کا فرض ہے۔ جو عورت ایک لڑکا بھی پیدا نہیں کر سکتی وہ بدترین

خلائق میں شمار کی جاتی ہے۔آج سے پہلے لڑکی کی پیدائش کو والدین کے ساتھ ساتھ پورے خاندان کے لیے باعث ننگ وعار اور نحوست وشامت کا نشان مانا جاتا تھا۔اسی لیے اس ممکنہ نحوست کوٹالنے کے لیے شادی کے وقت ہونے والے شوہر کو دان کر دیا جاتا تھا۔

جہیز کی سماجی حیثیت: مذکورہ بالا تفصیلات سے روز روشن کی طرح یہ بات عیاں ہوگئی کہ جہیز کی دوسری قسم سے ہندو سماج وابستہ ہے۔اسلامی کلچر کا اس سے دور کا بھی لگاؤ نہیں۔کیونکہ اس جہیز کی بنیاد عورت کی تحقیر وتذلیل پر ہے اور اسلام عورت کو مرد کے مساوی حقوق دے کر اسے معزز ومحترم بناتا ہے بلکہ اسے ذریعۂ نجات بنا کر پیش کرتا ہے۔

عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال الجنة تحت أقدام الأمهات.

(جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے) اس تعلق کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس قسم کے جہیز کی لعنت ہندو معاشرہ کا خاصہ ہو۔مگر نہ جانے اس رسم قبیح نے مسلم معاشرے کو بھی کس طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا۔یہ بہت ہی افسوسناک امر ہے۔اسی جہیز نے بہت سے آباد گھروں کو ویران بنا دیا۔خوشحالی کو زبوں حالی اور شادی خانہ آبادی کو خانہ بربادی میں تبدیل کر دیا۔یہی جہیز ہے جس کی کمی کے سبب لڑکیوں کو سسرال میں ستایا جاتا ہے۔بلکہ اب نذر آتش کر دیا جاتا ہے اور اب تو لڑکیاں احساسِ کمتری کا شکار ہو کر خود اپنے گھروں ہی میں خود کو ہلاک کر رہی ہیں۔یہی جہیز ہے جس نے مرد وعورت میں غیر فطری عمل کے رجحان کو بڑھاوا دیا ہے۔فحاشی اور بے حیائی کو عام کیا ہے اور لڑکی کی پیدائش کو باعثِ ذلت ورسوائی اور سبب ندامت وپشیمانی بنا دیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ کل دورِ جاہلیت میں لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا اور آج کے ترقی یافتہ دور میں الیکٹرانک مشینوں کا سہارا لے کر شکم مادر ہی میں ان کو ضائع کر دیا جاتا ہے۔یعنی اس جہیز نے ترقی یافتہ دور کو دورِ جاہلیت سے دو قدم آگے کر دیا ہے۔

آج کے لوگ لڑکے اور لڑکی کے انتخاب میں ان کی دنیوی تعلیمی لیاقت، مالی پوزیشن، خاندانی وجاہت اور شکل وصورت کو دیکھتے ہیں۔مگر ان کے دین واخلاق کے بارے میں کبھی معلوم کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے کہ ان کا ایمان وعقیدہ درست ہے یا نہیں۔وہ ضروریات دین سے واقف ہیں یا نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی ذہنیت پر کاری ضرب لگائی ہے کہ عام طور پر لڑکی سے رشتہ طے کرنے میں چار چیزوں کو دیکھا جاتا ہے۔ مال و دولت، جمال و خوبصورتی، خاندان اور دین مگر آپ نے فرمایا کہ ان اُمورِ اربعہ میں دین و اخلاق کے علاوہ کسی دوسری چیز کو رشتہ کے انتخاب میں فیصلہ کن چیز نہ بنایا جائے۔

حدیث پاک ہے: **تُنکَحُ الْمَرْأَةُ لِاَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَ لِدِيْنِهَا فَاظْفُرْ بِذَاتِ الْدِّيْنِ تَرِبَتْ يَدَاکَ.** (عام طور پر) عورت سے چار چیزوں کی بنا پر نکاح کیا جاتا ہے، مال، خاندان، خوبصورتی اور دین و اخلاق تو تم دیندار خاتون سے شادی کر کے کامیابی حاصل کرلو۔ اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو تمہارا برا ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر تم دین و اخلاق کو پس پشت ڈال کر شادی بیاہ کے رشتے کرو گے تو خاندان و معاشرہ اور سوسائٹی خراب ہوگی۔ معاشرہ میں فساد پھوٹ پڑے گا۔ آپ کا ارشاد ہے:

اِذَا خَطَبَ اَحَدُكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِيْنَهُ وَخُلُقُهُ فَزَوِّجُوْهُ وَاِنْ لَا تَفْعَلُوْا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَ فَسَادٌ عَرِيْضٌ. یعنی کوئی لڑکا والا تمہاری لڑکی سے رشتہ کا پیغام دے تو دیکھ لو کہ اس کا دین و اخلاق اچھا ہے کہ نہیں اگر اس طرف سے اطمینان ہے تو رشتہ قبول کرو اور اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ و فساد پیدا ہوگا۔

یعنی جس طرح لڑکی کے انتخاب میں اس کی دینی حالت اور اخلاقی صورت حال کو اولیت دینی چاہیے اسی طرح لڑکے کے انتخاب میں بھی اس کے دین و کردار ہی کو مقدم رکھنا چاہیے۔

فرمان رسول کو سامنے رکھ کر آپ اپنے سر کی آنکھوں سے مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ دین و اخلاق کو معیار انتخاب نہ بنا کر دولت و خوبصورتی اور تعلیم و خاندانی وجاہت کو معیار بنانے میں ہماری سوسائٹی اور معاشرہ میں کتنے فساد پیدا ہو رہے ہیں اور بگاڑ کی کیسی کیسی صورتیں پیدا ہو رہی ہیں۔ اسلامی تعلیمات و ترغیبات سے لوگ کتنے دور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

شادی بیاہ کے موقع سے غیر شرعی مراسم اور فضول خرچیوں سے بے برکتی ہوتی ہے۔ آسودگی میسر نہیں ہوتی۔ تقریب شادی ممکنہ طور پر جتنی سادہ ہو خیر و برکت اور صلاح و فلاح کی ضامن ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **اِنَّ اَعْظَمَ الْنِّكَاحِ بَرَكَةٌ اَيْسَرُهُ مَؤُنَةً**

یعنی سب سے اچھی اور برکت والی شادی وہ ہے جس میں کم سے کم بوجھ اور تکلیف ہو۔

حدیث مذکور کو سمجھنے کی کوشش کیجیے اور اپنی اقتصادی اور معاشی حالت کا جائزہ لیجیے تو معلوم ہوگا کہ اس سنت پر عمل نہ کرنے سے ہمارے گھروں سے برکت اٹھ گئی ہے۔ حلال روزی کے بجائے حرام رزق کی طرف میلان ہورہا ہے اور حرام روزی کا عذاب ہم پر مسلط کر دیا گیا ہے۔ آج ہمارے معاشرے کا حال یہ ہے کہ وہ حلال وحرام کے درمیان کسی حد فاصل اور خط امتیاز کی پرواہ کیے بغیر اپنی آمدنی بڑھانے میں مصروف ہے۔ مگر کثرتِ آمدنی کے باوجود ہم کو آسودگی اور اطمینان میسر نہیں۔ یہ سب اس لیے ہے کہ ہمارا کردار وعمل سنت نبوی سے دور ہو گیا ہے۔ سنت سے دوری کی قیمت بے برکتی کی صورت میں ہمیں ضرور چکانی پڑے گی۔

جہیز کی شرعی حیثیت: اس باب میں تفصیل ہے۔ جہیز کی پہلی قسم جسے باپ ازراہِ شفقت بلا جبر و اِکراہ اپنی بیٹی کو رخصتی کے وقت دیتا ہے جائز ہے۔ بشرطیکہ حد اعتدال سے متجاوز نہ ہو۔ اس کے جواز کے لیے جہیز فاطمی کو سند کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے لیکن جہیز کی دوسری قسم کا شریعت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ یہ کئی شرعی فسادات ومنکرات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے فاسد اور ناجائز ہے۔ یہ ایک اجمال ہے جس کی تفصیل وتحلیل اس طرح ہے۔

(ا) فساد اوّل۔عورت کی تحقیر وتذلیل: ماسبق میں تاریخی تجزیہ سے ثابت کیا گیا کہ یہ جہیز ہندو سماج کی ایجاد ہے اور عورت کی تحقیر وتذلیل پر مبنی ہے جو اسلامی نظریہ کے سراسر منافی ہے۔ مذہب اسلام میں عورت اتنی ہی معزز ومحترم ہے جتنا کہ مرد عورت کو مساویانہ حقوق حاصل ہیں۔ عورت سکون قلب وجگر ہے۔ اسلام نے ان دونوں کے درمیان صنفی تشخص کے علاوہ کہتری وبہتری کی تفریق نہیں کی۔ مولیٰ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یـایها الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدة وخلق منها زوجها وبث منهما رجالا کثیرا و نساءً ٥ اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمھیں ایک ذات سے پیدا کیا اور اس سے جوڑ ابنایا اور پھر ان دونوں سے بہت سے مرد وعورت دنیا میں پھیلا دیے۔ (پارہ:۴۔سورہ نساء)

دوسری آیت میں ارشاد ہوا: **هو الـذی خلقکم من نفس واحدة وجعل**

منھا زوجھا لیسکن الیھا وہی ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسکی جنس سے اسکا جوڑا بنایا تا کہ اس کے پاس سکون حاصل کرے۔(پارہ۹۔سورہ الاعراف،آیت:۱۸۹)

آیت متذکرہ سے واضح ہوتا ہے کہ مرد و زن کی تخلیق کا مقصد و منشا انسانی نسل کا فروغ اور تسکین نفس ہے اور جس کی پیدائش ان عظیم مقاصد و مصالح کے لیے ہو وہ بھلا کیسے حقیر و ذلیل ہو سکتی ہے۔

(۲) فساد دوّم۔ظلم اور اَکل بالباطل: یہ جہیز زور زبردستی سے وصول کیا جاتا ہے لہٰذا یہ ظلم صریح اور باطل طریقے سے کسی کا مال کھانے کے دائرہ میں آئے گا اور شریعتِ اسلامیہ میں ظلم و عدوان اور غلط ڈھنگ سے کسی کا مال کھانا اور لینا حرام۔اس پر شدید وعید وارد ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **یایھا الذین اٰمنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراضٍ منکم ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما ○ و من یفعل ذلک عدوانا و ظلما فسوف نصلیہ نارًا و کان ذلک علی اللہ یسیرًا ○ (نساء : ۴/ ۲۹ – ۳۰)** اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ۔لین دین آپس کی رضا مندی سے ہونی چاہیے اور نہ اپنے آپ کو قتل کرو۔بے شک اللہ تعالیٰ تم لوگوں پر مہربان ہے۔جو شخص ظلم و زیادتی کے ساتھ ایسا کرے گا ہم اس کو آگ میں ضرور جھونکیں گے اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

(۳) فساد سوّم۔رشوت خوری: لڑکی کے باپ سے اس قسم کا جہیز اور متعینہ رقم شادی کے لیے شرط کی حیثیت رکھتی ہے جو رشوت کے خانہ میں آتی ہے اور رشوت خوری حرام ہے شریعت میں رشوت لینے اور دینے پر زبردست وعید آئی ہے اور رسول باوقار صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **اَلرَّاشِیُ وَالْمُرْتَشِیُ کَلاَھما فی النار.** (المعجم الاوسط لطبرانی)

رشوت لینے اور دینے والے دونوں جہنمی ہیں۔

(۴) فساد چہارم۔جنسی جرائم کا فتح باب: مروجہ جہیز کی لعنت کی وجہ سے جہاں قیمت بڑھانے کے لیے نوجوان لڑکوں کی شادی میں تاخیر کی وجہ سے ان کی عمر زیادہ ہو جاتی ہے وہیں جہیز جُٹانے میں نوجوان لڑکیاں عمر رسیدہ ہو جاتی ہیں۔پھر فطری جذبات اور ہیجانی کیفیت کے

تقاضوں کے پیش نظر ان کی عصمت وعفت اور پاکدامنی کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ جنسی جرائم کا دروازہ کھل جاتا ہے اور معاشرے میں زبردست فساد پھیل جاتا ہے۔ اس لیے یہ جہیز **مُفضِیُ اِلَی الُفساد** (فساد کی طرف لے جانے والا) ہونے کی وجہ سے ناجائز ہو گئے۔

(۵) فساد پنجم۔ حرام خوری کا فروغ: جہیز کی یہ قبیح رسم لڑکی کی پیدائش کے ساتھ ہی گارجین کو زیادہ دولت فراہم کرنے کی فکر میں مبتلا کر دیتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جائز طریقوں سے اتنی کمائی ہو نہیں سکتی پھر وہ غلط ذرائع آمدنی کا استعمال کرتا ہے۔ اس طرح وہ حرام خوری کا خوگر ہو جاتا ہے اور حرام خوری معاشرے کے فساد کا بنیادی سبب ہے۔ اس سے بے پناہ جرائم جنم لیتے ہیں۔

(۶) فساد ششم۔ سنت کی راہ میں رکاوٹ: مذکورہ تفصیلات سے واضح ہوا کہ جہیز کی وجہ سے نکاح میں غیر معمولی تاخیر ہوتی ہے۔ جہیز نکاح کے لیے ایک زبردست رکاوٹ ہے جب کہ نکاح سنت رسول ہے اور سنت رسول سے رکاوٹ پیدا کرنا سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق قطع کرنے کے مرادف ہے۔

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے: **اَلنِّکَاحُ مِنُ سُنَّتِیُ فَمَنُ رَغِبَ عَنُ سُنَّتِیُ فَلَیُسَ مِنِّیُ.** نکاح میری سنت ہے جو میری سنت سے اعراض کرے گا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔

(۷) فساد ہفتم۔ تبذیر واسراف: شادی بیاہ کے موقع سے جہیز کی یہ رسم شنیع اور دیگر فضول خرچی اضاعتِ مال اور تبذیر واسراف کے دائرہ میں آتی ہے۔ شریعت میں اسراف و تبذیر عمل قبیح اور فعل شنیع ہے۔ اس کو شیطانی کام قرار دیا گیا ہے۔ مولیٰ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تُبَذِّرُ تَبُذِیُرًا اِنَّ الُمُبَذِّرِیُنَ کَانُوُا اِخُوَانَ الشَّیٰطِیُن وَکَانَ الُشَّیُطٰنُ لِرَبِّہٖ کَفُوُرًا٥ اور فضول نہ اڑا بے شک فضول اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔ (پارہ: ۱۵۔ سورہ اسراء: ۴۶، ۴۷)

الحاصل جہیز بے شمار سماجی جرائم ومفاسد کا منبع ہے۔ جہیز سراسر ظلم وعدوان ہے۔ جہیز ایک دیمک کی طرح ہے جو سماج ومعاشرہ کی جڑ کو کھوکھلا کر رہا ہے۔ جہیز رحمانی نہیں

شیطانی کام ہے۔ جہیز جہنم میں جانے کا ایک راستہ ہے۔ جہیز عورت کے متعلق ہندو سماج کے عقیدۂ تحقیر و تذلیل کو تسلیم کر کے ہندو تہذیب میں ضم ہونے اور یکساں سول کوڈ میں ڈھلنے کی طرف بڑھتا ہوا ایک لاشعوری قدم ہے۔ جہیز مرد کا اپنی قوامیت اور ذمے داری سے فرار کا نام ہے۔ جہیز ایک پاکیزہ اسلامی معاشرہ کے لیے سُم قاتل ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ جہیز جیسی شناعت سے معاشرہ کو پاک کریں۔

جہیز کی انسدادی تدابیر: مسلم معاشرہ میں جہیز کی یہ دوسری قسم جو سرتا پا قباحت و شناعت ہے۔ دھیرے دھیرے اپنی جڑ مضبوط کر رہی ہے۔ تھوڑی سی غفلت پوری امت مسلمہ کو اس لعنت میں جھونک سکتی ہے۔ لہٰذا اب بھی سویرا ہے۔ قبل اس کے کہ پانی سر سے اونچا ہو اس کے انسداد کے لیے جد و جہد کریں اور لائحہ عمل متعین کریں۔ اخیر میں ہم جہیز کے انسداد کے لیے چند تدابیر و تجاویز پیش کر رہے ہیں:

(۱) علمائے امت و مفتیان مذہب جہیز اور غیر شرعی رسم نکاح کی قباحتوں سے لوگوں کو تحریر یا تقریر سے آگاہ کریں اور ایسا نکاح جو غیر شرعی مراسم پر مشتمل ہو اسے بڑھانے سے احتراز کریں۔

(۲) درسگاہوں میں اساتذہ صرف جسم کے ہیولیٰ اور صوتِ جسمیہ کی بحث پر اکتفا نہ کریں بلکہ اس کو بھی بتائیں کہ ایک صالح سماج اور پاکیزہ معاشرہ کی تشکیل کے لیے کس ہیولیٰ اور صورتِ جسمیہ کی ضرورت ہے اور اس کی تقویم و تشکیل کیسے ہو تا کہ طلبہ کے اندر اس طرح کی ناجائز رسم کے خلاف جذبۂ منافرت پیدا ہو اور مستقبل میں وہ ایک اچھا معاشرہ تشکیل دینے میں کامیاب ہوسکیں۔

(۳) مسلم نوجوانوں میں اصلاحی انجمن اور فلاحی جماعت قائم ہو۔ جو اس لعنت کے خلاف کمر بستہ ہو۔

(۴) عام فہم اسلامی لٹریچرس کے ذریعہ خواتین اسلام میں بیداری لائی جائے اور ان کی عزت نفس کے خوابیدہ جذبات کو جگایا جائے کہ وہ ایسے ظالم اور رشوت خور سے شادی نہ کریں۔ بلکہ ایسے نیک نوجوان سے شادی کرنے کو ترجیح دیں جو جہیز کی شرط کے بغیر شادی کے لیے تیار ہو۔

(۵) نوجوان کو یہ باور کرانے کی ضرورت ہے کہ وہ لڑکی والے کو اپنا محسن تصور کریں۔ کیونکہ

وہ اپنی نورِ نظر نوجوان لڑکی کو ان کی شریک حیات بنانے کے لیے آمادہ ہے۔ هَلُ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَان کے بموجب محسن کے احسان کا بدلا احسان ہی سے دینا چاہیے۔ ظلماً جہیز لینا احسان فراموشی ہے نہ کہ بدلۂ احسان۔

(۶) جہیز کے لیے بھی کوئی حد متعین کر دی جائے کہ ہر امیر و غریب اس کی پابندی کرے۔ امیر لوگوں کو بہت شوق ہے تو اپنی بیٹیوں کو کسی اور موقع پر جس قدر چاہیں مال و اسباب دیں مگر جہیز وہی دیں جو مقرر کیا گیا ہو۔

(۷) باپ کی میراث میں از روئے شرع لڑکیوں کا جو حصہ قرآن و سنت سے ثابت ہے ضرور دیا جائے تا کہ لڑکی یا اس کی سسرال والوں کو جبری جہیز وصول کرنے کا جو عذر لنگ ہو سکتا ہے وہ بھی ختم ہو جائے۔

جہیز اسلام کی روشنی میں

حضرت مولانا اختر حسین فیضی مصباحی
(استاذ: جامعہ اشرفیہ، مبارکپور)

جہیز لغت میں اس سامان کو کہتے ہیں جو مسافر یا دلہن کے لیے تیار کیا گیا ہو۔ یا کسی گھر کو آباد کرنے کے لیے مہیا کیا گیا ہو۔ غالبًا اُردو میں جہیز کا لفظ عربی کے لفظ ''جَھَـاز'' سے ماخوذ ہے، اسی مادہ کے سبب تفعیل جَھَّـزَ تَـجْھِیْـزًا بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ جس کا معنی ہے سامان تیار کرنا اور سامان فراہم کرنا۔ چاہے وہ کسی دلہن کے لیے ہو، یا مسافر کے لیے یا میت کے لیے اسی معنی میں میت کے غسل وکفن کو تجہیز وتکفین کہتے ہیں۔

مفردات امام راغب میں ہے **اَلْجَھَازُ مَایُعَدُّ مِنْ مَتَاعٍ وَغَیْرِہٖ وَالتَّجْھِیْزُ حَمْلُ ذٰلِکَ اَوْبَعْثُہٗ** (المفردات فی غرائب القرآن صفحہ ۱۰۱، از امام راغب اصفہانی۔ مصر)

جہاز اس سامان وغیرہ کو کہا جاتا ہے جو کسی کے لیے تیار کیا جائے، اور تجہیز کا معنی اس سامان کا اٹھانا ہے۔ آج کی اصطلاح میں جہیز اس ساز وسامان کو کہتے ہیں جو لڑکی کے نکاح کے وقت اس کے والدین لڑکی کے ہمراہ کر دیتے ہیں۔ شریعت میں جہیز کی کوئی اہمیت نہیں۔ قرآن وحدیث میں ازدواجی زندگی کے تعلق سے تفصیلی بحث موجود ہے۔ نکاح وطلاق اور دیگر معاشرتی مسائل سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ لیکن جہیز کی بابت قرآن وحدیث خاموش نظر آتے ہیں۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ جہیز کی دین میں کوئی حیثیت نہیں۔ ایسے ہی فقہاے متقدمین کی کتابوں میں بھی اس مسئلہ کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ ہاں متأخرین علما نے اپنی کتابوں میں اسے جگہ دی ہے کہ ان کے سامنے اس کے تعلق سے مسائل آئے تو انھیں اس کا حل تلاش کرنا ضروری تھا۔ اس سے پتہ چلا کہ رسم جہیز رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہیں بلکہ موجودہ زمانے کی ایک رسم بد ہے جسے مسلمانوں نے ہندوؤں کی دیکھا دیکھی اپنا لیا ہے۔ **رسول اللہ کی صاحبزادیاں اور جہیز:** نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے چار صاحبزادیاں تھیں۔ حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت امّ

کلثوم،اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن ۔چاروں کا نکاح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کیا۔

اعلانِ نبوت سے قبل ہی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینب کا نکاح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خالہ زاد بھائی ابوالعاص بن ربیع کے ہمراہ کر دیا تھا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ابھی بقید حیات تھیں ابوالعاص ابھی دائرۂ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے۔(ان دنوں غیر مسلموں سے مسلمانوں کا نکاح جائز تھا۔)

رمضان ۲ھ میں ابوالعاص جنگ بدر سے گرفتار ہو کر مدینہ آئے اس وقت حضرت زینب رضی اللہ عنہا مسلمان ہوتے ہوئے بھی مکہ مکرمہ میں ہی مقیم تھیں۔ جب بدر کے قیدیوں کے بارے میں یہ فیصلہ ہوا کہ ان سے فدیہ لے کر آزاد کر دیا جائے۔لوگوں نے فدیہ دے کر اپنے اپنے عزیزوں کو چھڑایا۔سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب نے اپنے شوہر کی رہائی کے لیے اپنے گلے کا ہار بھیج دیا۔جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہار آیا تو آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔فدیہ کے طور پر ہار کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوئی لیکن مالِ غنیمت میں سارے مجاہدین کا حصہ ہوتا ہے۔ آپ صحابہ کے مشورہ کے بغیر صرف اپنی مرضی سے وہ ہار واپس نہ کر سکتے تھے۔اس لیے صحابہ سے مشورہ لیا کہ آپ لوگ تیار ہوں تو ابوالعاص کو بغیر فدیہ رہا کر دیا جائے اور زینب کا ہار واپس کر دیا جائے۔صحابہ نے بہ دل و جان اسے قبول کیا اور ہار واپس کر دیا گیا۔اس وقت لوگوں کو یہ پتہ چلا کہ یہ ہار حضرت زینب کو نکاح کے وقت ان کی والدہ حضرت خدیجہ نے دیا تھا۔حضرت خدیجہ کا یہ عمل جہیز کے لیے دلیل نہیں بن سکتا کہ یہ واقعہ اعلانِ نبوت سے پہلے کا ہے۔اس کے بعد حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ہوئی،حضرت رقیہ کے انتقال کے بعد تیسری صاحبزادی حضرت امّ کلثوم کا نکاح بھی رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان ہی سے کر دیا۔لیکن یہ کہیں نہیں ملتا کہ آپ نے ان دونوں کو جہیز میں کچھ دیا ہو۔نہ دینے کی وجہ ایک یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اغنیاے صحابہ میں تھے۔انھیں کچھ دینے کی ضرورت ہی نہیں تھی اور ہمارے معاشرہ میں مالدار اور اغنیا حضرات ہی جہیز کے زیادہ خواہاں اور حریص ہوتے ہیں۔اگر مالدار

حضرات جہیز دینے اور لینے سے پرہیز کریں تو بہت ممکن ہے یہ لعنت ہمارے معاشرے سے رخصت ہو جائے کہ کم پونجی والے انھیں کے نقش قدم پر چلنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ان کا مقصد ہوتا ہے کہ جب فلاں امیر نے اتنا جہیز دیا ہے تو ہم کیوں پیچھے رہیں۔لہٰذا محض خفت مٹانے اور اغنیا کا مقابلہ کرنے کے چکر میں اپنا اکثر اثاثہ داو پر لگا دیتے ہیں۔بسا اوقات مقروض تک ہو جاتے ہیں اسی پر بس نہیں اگر بے سودی قرض نہ ملے تو سودی قرض لے کر اپنی اس جھوٹی خواہش کی تکمیل اور اَنا کی تسکین کا سامان مہیا کرتے ہیں اور سود جیسی لعنت سے اپنی دنیا اور آخرت دونوں برباد کر ڈالتے ہیں۔

سب سے چھوٹی اور پیاری صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کے لڑکے حضرت علی بن ابی طالب سے کیا۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سامان نکاح کے وقت ان کو دیا تھا اسے کچھ لوگ غلط فہمی سے سنت قرار دیتے ہیں اور اسی کو دلیل بنا کر جہیز کو رواج دیتے اور حد سے تجاوز کر جاتے ہیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ آج سے پہلے کسی کو یہ سنت نہ سوجھی۔اگر یہ جہیز سنت ہوتا تو پھر صحابۂ کرام،تابعین عظام اور دیگر اسلاف بھی اس پر سختی سے عمل کرتے اور اس کی تعلیم بھی دیتے کہ وہ ہم سے کہیں زیادہ سنت پر عمل کرنے والے تھے۔جب کہ تاریخ اس سے بالکل خالی ہے۔اگر مان لیا جائے کہ رسولِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو جہیز میں کچھ سامان دیا تھا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت میں تھے اور ان کی ساری ضروریات خود رسول اللہ پوری کرتے تھے۔شادی کے بعد ایک نیا گھر بسانے کے لیے کچھ ضروری سامان کا انتظام کرنا بہر حال ضروری تھا،اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقت نکاح روزمرہ کے استعمال کے سامان دیے تاکہ نیا گھر بسانے میں علی اور فاطمہ کو کسی قسم کی دِقت نہ اٹھانی پڑے۔لہٰذا اس سے موجودہ جہیز کے لیے دلیل لانا کسی طرح صحیح نہیں۔ایک روایت میں یہ مذکور ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حضرت فاطمہ کے لیے پیغامِ نکاح بھیجا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ مہر کی ادائیگی کے لیے تمھارے پاس کچھ ہے،آپ

نے عرض کیا ایک گھوڑا اور زرہ ہے۔ رسول کائنات نے ارشاد فرمایا کہ گھوڑا تو تمھارے جہاد میں کام آنے والی چیز ہے۔ زرہ کو بیچ دو۔ آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بدست وہ زرہ چار سواسّی درہم میں بیچ دی۔ وہ قیمت ادا کر کے آپ نے وہ زرہ بھی حوالے کر دی۔ حضرت علی وہ زرہ اور قیمت بارگاہِ رسول میں لے کر حاضر ہوئے۔ آپ نے اس رقم سے ایک مٹھی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دی کہ وہ حضرت فاطمہ کے لیے خوشبو کا انتظام کریں اور باقی رقم حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو دیا تاکہ اس سے فاطمہ کے لیے خانہ داری کے سامان کا انتظام کریں ان میں درج ذیل سامان تھے۔ ایک پلنگ دو نہالی کتان (گدا) دو چادر برد کی دھاری دار کپڑے کی اور ایک تکیہ، اور دو بازو بند چاندی کے، اور ایک مشک پانی بھرنے کی، اور دو گھڑے مٹی کے، اور چند چیزیں اسی قسم کی۔ (تواریخ حبیب الہٰ ص ۵۷ از مفتی عنایت احمد)

مذکورہ بالا روایت اس بات کی طرف مشیر ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سامان نکاح کے وقت دیا تھا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رقم سے ہی فراہم کیا گیا تھا نہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سامان اپنے پاس سے دیا تھا، اگر کوئی کہے کہ رسول اللہ نے حضرت فاطمہ کو جہیز میں کچھ سامان دیا تھا، تو یہ لازم آئے گا کہ معاذ اللہ رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی تین صاحبزادیوں کے ساتھ برابری کا سلوک نہیں کیا اور وہ ایسا کیسے کر سکتے تھے، جب کہ انھیں کا ارشادِ گرامی ہے:

سَاوُوْا بَيْنَ اَوْلَادِكُمْ فِيْ عَطِيَّةٍ فَلَوْ كُنْتُ مُفَضِّلًا اَحَدًا فَضَّلْتُ النِّسَاءَ. (کنز العمال جزء:۱۶....حدیث نمبر: ۴۵۳۴۶) تم داد و دہش کرنے میں اولاد کے ساتھ برابری کرو اگر میں کسی کو فضیلت دیتا تو عورتوں کو دیتا۔

روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے تینوں بڑی صاحبزادیوں کو نکاح کے وقت کچھ نہیں دیا تھا، اور حضرت فاطمہ کو جو سامان نکاح کے وقت ظاہراً دیا تھا وہ ان کی طرف سے عطیہ نہیں تھا، ورنہ دوسری صاحبزادیوں کو بھی ضرور عنایت فرماتے۔

مروجہ جہیز سنت نہیں: مذکورہ عبارتوں سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ جہیز سنت نہیں، جب کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو جہیز دیا تھا،

اس لیے یہ صرف جائز ہی نہیں بلکہ سنت ہے۔اس سلسلے میں چند باتیں پیش ہیں:

نیز وہ سامان حضرت علی کی مہر کے طور پر دی ہوئی رقم سے مہیّا کیا گیا تھا۔اس پس منظر میں یہ تسلیم کرنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل سنت ہے تو بجا ہے اور مسلمانوں کے لیے رسول کائنات کی اس سنت پر عمل کرنے میں کامیابی اور کامرانی ہے۔لیکن اسے سنت اس وقت قرار دیا جاسکتا ہے، جب یہ عمل ٹھیک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے مطابق ہو۔ داماد سے پیشگی مہر کی رقم لے کر اس سے جہیز کا انتظام کرے۔کیا جہیز مانگنے والے داماد اس کے لیے تیار ہیں۔اور دینے والے والدین اس کا اہتمام کر سکتے ہیں۔جو سامان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو دیا اس کے دینے کی وجہ کیا تھی جب کہ روایتوں سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کے علاوہ دوسری صاحبزادیوں کو بوقت نکاح کچھ نہیں دیا۔اور اگر آپ نے کچھ دیا ہی تو وہ سامان کہاں سے فراہم کیے گئے۔گزشتہ اوراق میں اس سلسلہ کی گفتگو گزر چکی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر کفالت تھے،اس لیے شادی کے بعد ضروری سامان کا انتظام کرنا ان کے لیے ضروری تھا۔

آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے داماد حضرت علی کے پاس حضرت فاطمہ کے ہمراہ چند ضروری اور روزمرہ کے استعمال کے سامان بھیجے تاکہ دونوں بحسن وخوبی زندگی گذار سکیں۔یا حضرت علی کی دی ہوئی رقم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حضرت علی اور حضرت فاطمہ کے لیے خوشبو اور استعمال کے لیے سامان مہیا کر دیا۔آج بھی اگر کوئی شخص اپنے غریب داماد کے لیے ضروری سامان کا انتظام کرے۔یا داماد کی دی ہوئی رقم سے خود اس کے لیے اور اس کی شریک حیات کے لیے سامان فراہم کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں اس نیت اور خلوص کے ساتھ ہر انسان کا یہ عمل ضرور سنت نبوی قرار دیا جائے گا۔ جب کہ آج کا مروجہ جہیز، دینے والوں کے لیے مصیبت کا باعث ہے، ساتھ ہی اس میں نام ونمود بھی ہے۔ظاہر ہے کہ اسلام اس قسم کی خرافات کو اپنی شریعت میں قطعاً جگہ نہیں دیتا۔لہٰذا یہ عمل بد یقیناً ناجائز وحرام ہے ہاں بلاطلب اگر لڑکی کے والدین کچھ دے رہے ہیں تو اس میں کوئی قباحت نہیں، بشرطے کہ نام ونمود اور کسی کا ناجائز مطالبہ پورا کرنے کے لیے نہ ہو

اوراس سے کسی رسم بد کو پروان چڑھنے کا موقع نہ ملے۔

بہترین جہیز: وہ کون سے سامان ہیں جولڑکی کے لیے کارآمد اوراس کے نئے گھر کے لیے زیادہ مفید ہو سکتے ہیں۔اس سلسلے میں کوئی لمبی گفتگو نہ کر کے صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ حسن اخلاق دینداری،مہر ومحبت اور بہترین تعلیم وتربیت ہر انسان کے لیے کارآمد اور مفید ہے،اور یہ ساری صفات ایک لڑکی کے اندر ہونا اس کے لیے بہترین جہیز ہے، کہ اس کی اپنی زندگی بھی اس سے خوشگوار ہوگی اور شوہر کے حقوق وفرائض کی ادائیگی میں بھی معاون ثابت ہوں گی۔ یاد رکھیں دنیاوی مال واسباب کے جہیز سے تو وقتی طور پر ہی شوہر کا دل جیتا جا سکتا ہے۔مگر ادب و تعلیم سے ہمیشہ کے لیے شوہر کو اپنایا جا سکتا ہے۔اور کبھی زیادہ لالچی شوہر تو وافر جہیز سے بھی آسودہ نہیں ہوتا اور هَلْ مِنْ مَّزِيْد کا نعرہ لگا تا اور بیوی کو کوستا اور ستا تا رہتا ہے۔

اولاد کے لیے ماؤں کی گود پہلی درسگاہ ہوتی ہے، درس گاہ جتنی عمدہ اور بہترین ہوگی اولاد کے اوپر اس کا اتنا اچھا اثر مرتب ہوگا۔ جب ماں دیندار، خوش اخلاق ہوگی اور علم و ہنر سے آراستہ ہوگی تو بفضلہٖ تعالیٰ اولاد کے عادات واطوار اور افعال وکردار سے ماں کی خوش اخلاقی اور دینداری ضرور نمایاں ہوگی۔ ایسے ہی باپ کا طور طریقہ بھی اولاد کے حق میں مشعل راہ ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **وَمَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدًا مِنْ نَحْلٍ اَفْضَلَ مِنْ اَدَبٍ حَسَنٍ** (ترمذی شریف ص ۱۷ رجلد ثانی۔ اَز ابوعیسیٰ ترمذی)

ترجمہ: کسی باپ کا اولاد کے لیے اچھی تربیت سے بہتر کوئی عطیہ نہیں۔

اولاد کے لیے ظاہری زیب وزینت، عمدہ لباس اور بہترین غذا ہی سب کچھ نہیں بلکہ والدین کی طرف سے اولاد کے لیے بہترین تحفہ یہ ہے کہ وہ انھیں بہترین ادب سکھائیں اور اسلامی طریقے کے مطابق انھیں تعلیم وتربیت دیں۔ مذکورہ بالا حدیث کے مفہوم کو علامہ قرطبی نے ان الفاظ میں ادا فرمایا ہے: **وَعَلَيْنَا تَعْلِيْمُ اَوْلَادِنَا وَاَهْلِيْنَا الدِّيْنُ وَ الْخَيْرُ وَمَا يَسْتَغْنِى عَنْهُ مِنَ الْاَدَبِ**. اور ہم پر واجب ہے کہ ہم اپنی اولاد اور اہل خانہ کو دین سکھائیں۔ اچھی باتوں کی اور ادب وشائستگی کی تعلیم دیں اور جس تہذیب کے بغیر چارہ نہیں وہ بتائیں۔ (تفسیر قرطبی ج ۱۸/۱۵۲، مطبوعہ مصر)

حدیث شریف میں لفظ ''ولدٌ'' اور علامہ قرطبی کی عبارت میں ''اَولَادُ'' سے اولاد مذکر اور اولاد مونث دونوں مراد ہیں۔اب یہ نتیجہ نکالنا مشکل نہیں کہ ایک لڑکی کے لیے اس کے والدین کی جانب سے بہترین تہذیب وتمدن،اعلیٰ اخلاق وکردار اور عمدہ تربیت کا ملنا ہی اصل جہیز ہے۔جن والدین نے اپنی لڑکی کو ان خوبیوں سے اس نیت کے ساتھ مزین کیا کہ یہی چیزیں بیٹی کے لیے نئے گھر کو سنوارنے میں معاون ہوں گی اور اس کی اولاد کے لیے کارآمد ثابت ہوں گی تو یقیناً وہ والدین عنداللہ اور عند الناس بہترین ماں باپ ہیں۔

اب یہیں سے ایک دوسرا رُخ بھی ملاحظہ فرمالیا جائے کہ لڑکا اپنی شریک حیات کے انتخاب میں کن کن امور کا لحاظ کرے۔اس سلسلے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پیش کرنا زیادہ مناسب ہے کہ یہی ارشادات مسلمانوں کے لیے اصل دینی اور دنیاوی اثاثہ اور رہنما اصول ہیں۔فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

(۱)**تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِاَرْبَعٍ لِمَا لِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِيْنِهَا فَاظْفُرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ** (بخاری ومسلم) عورت سے نکاح کے چار داعیے ہوا کرتے ہیں۔اس کا مال، اس کا حسب،اس کا جمال،اس کا دین،تم دین والی عورت کو اختیار کرو۔

(۲)**لَا تزوجوا النساء لحسنهن فعسیٰ حسنهن يرديهن ولا تزوجوهن لاموالهن، فعسیٰ اموالهن ان يطغيهن ولاكن تزوجوهن على الدين ولا مة خرماء سوداء ذات دين افضل.** (ابن ماجہ) عورتوں سے شادی کی محض بنیاد اس کے حسن کو نہ بناؤ ان کا حسن انھیں تباہی میں ڈال سکتا ہے اور ان کی دولت وثروت کو بھی شادی کی بنیاد نہ بناؤ۔ہوسکتا ہے کہ ان کی دولت انھیں سرکشی میں مبتلا کردے،لیکن دین کی بنیاد پر تم شادی کرو،کالی کلوٹی دیندار کنیز زیادہ اچھی ہے۔

یہ حدیث ان نوجوانوں کے لیے تازیانۂ عبرت ہے جو محض حسن و جمال پر متاعِ جان ودل لٹا بیٹھتے ہیں۔یا دولت وثروت پر سرمایۂ ہوش وخرد قربان کردیتے ہیں اور دیانت و تقویٰ،صلاح ونیکی کی کوئی پرواہ نہیں کرتے۔

(۳) **من تزوج امرأة لعزها لم يزده الله الا ذلّاً. ومن تزوجها لما لها**

لم یزده الا فقراً. ومن تزوجها لحسبها لم یزده الله الا دناءةً ومن تزوج امرأةً لم یرد بها الا ان یغض بصره و یحصن فرجه اویصل رحمه بارک الله له فیها و بارک لها فیه (طبرانی) جس نے کسی عورت سے اس کی عزت کے سبب نکاح کیا وہ ذلیل ہوگا۔ جس نے اس کی دولت کی وجہ سے نکاح کیا وہ اور محتاج ہی بنے گا، جس نے اس کے حسب کے باعث نکاح کیا اس کی دناءت (کمینہ پن) میں اضافہ ہی ہوگا۔ ہاں جس نے کسی عورت سے صرف اس لیے نکاح کیا کہ اپنی نظر اور شہوت کی حفاظت یا اپنی سابقہ قرابت کی رعایت کر سکے تو اس کی شادی میں خدائے تعالیٰ مرد عورت دونوں ہی کے لیے برکت عطا فرمائے گا۔

(رشتۂ ازواج ص۱۴-۱۵، ازمولانا محمد احمد مصباحی)

ان ارشادات میں دینداری کے علاوہ اور کسی چیز کو اہمیت وفضیلت نہیں دی گئی ہے۔ بلکہ مال و دولت کی بنیاد پر شادی کرنے والوں کے لیے فرمایا گیا کہ ہوسکتا ہے کہ لڑکی کی دولت اس کو سرکشی میں مبتلا کر دے۔ مزید فرمایا کہ ایسا آدمی ہمیشہ محتاج ہی رہے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ لڑکی کے لیے بہترین جہیز اس کی دینداری اور خوش اخلاقی ہی ہے اور یہی جہیز شوہر کے لیے بھی مفید و کارآمد ہے اور مال و دولت کا جہیز تباہی و بربادی کا باعث ہے۔ جیسا کہ دیکھا گیا ہے کہ اکثر جہیز کے سامان کے استعمال کے سلسلے میں لڑائی جھگڑے کی نوبت آجایا کرتی ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پڑھیں اور ان پر عمل کر کے رسول اللہ کی غلامی کا ثبوت دیں، اور اُخروی و دنیوی آفات وبلیّات سے حفاظت کا سامان کرلیں۔

آل انڈیا تبلیغ سیرت کولکاتا مغربی بنگال کے
اغراض ومقاصد

بنگال کی سرزمین پر تحریک آل انڈیا تبلیغ سیرت تقریباً ۱۹۷۱ء سے مسلک اہل سنت و جماعت کے افکار ونظریات کے فروغ کے لیے رہنمائے اہل سنت امام التارکین سراج السالکین حضور مجاہد ملت علامہ الحاج الشاہ محمد حبیب الرحمٰن قادری ہاشمی علیہ الرحمہ کے خلیفہ حضرت الحاج مدثر حسین حبیبی صاحب قبلہ کی سربراہی میں دینی خدمات انجام دے رہی ہے۔

اغراض ومقاصد

- مسلمانوں میں مذہبی رجحان پیدا کرنا، انہیں فرائض وواجبات کی ترغیب دینا۔
- دلوں میں عشق واتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ بیدار کرنا۔
- مسلمانوں کے مابین اتحاد واتفاق کی راہ ہموار کرنا۔
- اسکولوں میں پڑھنے والے چھوٹے بچوں نوجوانوں اور کاروبار سے جڑے ہوئے یا معذور ہو چکے عمر رسیدہ لوگوں کے لیے دینی تعلیم کا نظم کرنا۔
- اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے جو غلط فہمیاں پیدا کی جا رہی ہیں ان کا دلائل کی روشنی میں معقول جواب دینا۔
- عام فہم زبان میں عامۃ الناس کے لیے مذہبی کتابیں شائع کرنا۔
- جابجا دینی ومذہبی نشستیں کرنا۔
- قدرتی آفات یا فسادات کے سبب تباہ حال لوگوں کی امداد کرنا۔

بحمدہ تعالیٰ مذکورہ امور تین شعبہ جات

(۱)۔شعبہ تعلیم (۲)۔شعبہ تبلیغ (۳)۔شعبہ نشر واشاعت۔ کے ذریعہ انجام دیئے جا رہے ہیں۔

Published by

MADINATUL ULOOM INSTITUTE, TOPSIA

ALL INDIA TABLEEGH -E- SEERAT KOLKATA, WB

E-mail: tableegh.e.seerat@gmail.com Mob. 9830367155

Visit at : Website : www.tableeghseerat.com